ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
www.tanzeem.org
43
14 تا 20 ذوالقعدہ 1430ھ / 3 تا 9 نومبر 2009ء

تحقیر و عیب چینی پر صبر

وہ مومن جسے اللہ نے اپنے دین کی بصیرت، اپنے رسول ﷺ کی سنت کی سوجھ بوجھ اور اپنی کتاب کا فہم عطا کیا ہے اور ساتھ ہی اسے یہ بھی دکھا دیا ہے کہ لوگ کن خواہشوں، بدعتوں اور گمراہیوں میں گرفتار ہیں اور کس طرح وہ اس صراطِ مستقیم سے بھٹک گئے ہیں جس پر رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ گامزن تھے، اگر وہ اس راہِ راست پر چلنا چاہے تو اسے جاہلوں اور اہل بدعت کی مذمت پر، ان کی طعن و تشنیع پر اور ان کی تحقیر و عیب چینی پر صبر کرنا ہوگا۔ وہ لوگوں کو اس سے نفرت دلائیں گے اور اس سے خوف زدہ کریں گے۔ وہ اس کے ساتھ ہر طرح کے مکر کریں گے۔ اس کے لیے دھوکے کے جال بچھائیں گے اور اپنی فوج لے کر اس پر دوڑ پڑیں گے۔

وہ ان کے درمیان اپنے دین میں اجنبی ہوگا کیونکہ ان کا دین بگڑ چکا ہوگا۔ وہ اپنی اتباعِ سنت میں اجنبی ہوگا کیونکہ وہ بدعتوں سے چمٹے ہوئے ہوں گے۔ وہ اپنے صحیح عقیدے میں اجنبی ہوگا کیونکہ ان کے عقائد غلط اور باطل ہوں گے۔ وہ اپنی نمازوں میں اجنبی ہوگا کیونکہ ان کی نمازیں فاسد ہوں گی۔ وہ اپنے طریقے میں اجنبی ہوگا کیونکہ وہ غلط راہوں پر چل رہے ہوں گے۔ وہ اپنے تعلق میں اجنبی ہوگا، کیونکہ وہ خدا کے رسولؐ کی طرف منسوب ہوگا اور وہ اپنے جھوٹے راہنماؤں کی طرف منسوب ہوں گے۔

وہ اپنی معاشرت میں اجنبی ہوگا کیونکہ وہ ان کی خواہشات کے خلاف ان سے سلوک کرے گا۔

معروف و منکر
سید جلال الدین عمری

اس شمارے میں

رفقاء تنظیم کے نام

خوف اور دہشت کا عذاب کیوں؟

قرض حسن کا مفہوم اور ترغیب

مغرب کا ہدف

تنظیم اسلامی حلقہ کراچی جنوبی کے امیر انجینئر نوید احمد سے انٹرویو

حالتِ جنگ نہیں، حالتِ عذاب

مغربی قوتوں کی چالاکی

فری میسن کا گھناؤنا کردار

تنظیم اسلامی کی دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

سورۃ الاعراف

(آیات:189تا192)

آلھدیٰ (394)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ
بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿١٨٩﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ
فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿١٩٠﴾ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿١٩١﴾ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ
نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿١٩٢﴾﴾

”وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اُس سے راحت حاصل ہو۔ سو جب وہ اس (عورت) کے پاس جاتا ہے تو اُسے ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے اور وہ اُس کے ساتھ چلتی پھرتی ہے۔ پھر جب وہ کچھ بوجھل ہو جاتی (یعنی بچہ پیٹ میں بڑا ہوتا) ہے تو دونوں (میاں بیوی) اپنے پروردگار اللہ عزوجل سے التجا کرتے ہیں کہ اگر تو ہمیں صحیح وسالم (بچہ) دے گا تو ہم تیرے شکرگزار ہوں گے۔ جب وہ اُن کو صحیح سالم (بچہ) دیتا ہے تو اُس (بچے) میں جو وہ اُن کو دیتا ہے اُس کا شریک مقرر کرتے ہیں۔ جو وہ شرک کرتے ہیں اللہ (کا رُتبہ) اس سے بلند ہے۔ کیا وہ ایسوں کو شریک بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور خود پیدا کیے جاتے ہیں۔ اور نہ اُن کی مدد کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں۔“

شوہر اور بیوی کے تعلقات میں جہاں اولاد کی خواہش ہوتی ہے، وہاں سکون بھی مطلوب ہے۔ پس جب شوہر اپنی بیوی کو ڈھانپ لیتا ہے تو اسے حمل ہو جاتا ہے۔ ابتداءً وہ حمل ہلکا ہوتا ہے۔ پتا بھی نہیں چلتا کہ حمل ٹھہر گیا ہے۔ بیوی اُس کو لے کر چلتی پھرتی رہتی ہے۔ پھر جب وہ بوجھل ہو جاتی ہے تو اب دونوں میاں بیوی اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں، اے اللہ! اگر تو ہمیں صحیح سالم، تندرست بچہ عطا کر دے گا تو ہم تیرا بڑا شکر ادا کریں گے، تیرا بڑا احسان مانیں گے۔

پھر جب اللہ تعالیٰ اُنھیں بھلا چنگا، سالم اعضاء والا بچہ عطا کر دیتا ہے تو اب وہ دونوں شریک ٹھہرانے لگتے ہیں کہ ہم فلاں بزرگ کے مزار پر گئے تھے، یہ بچہ اُن کی نظرِ کرم سے ہوا ہے یا یہ فلاں دیوتا یا دیوی کی مہربانی ہے۔ کتنی ناانصافی کی بات ہے کہ بچہ تو اللہ نے دیا اور اُنھیں دیوی دیوتا یاد آ رہا ہے۔ وہ اللہ جو اولاد دینے والا ہے اُس شرک سے بہت بلند ہے جو وہ کرتے ہیں۔

کیا وہ اُن چیزوں کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرا رہے ہیں جو کوئی شے بھی تخلیق نہیں کر سکتے۔ وہ تو خود مخلوق ہیں۔ جنات بھی مخلوق ہیں۔ انبیاء واولیاء بھی مخلوق ہیں۔ نہ وہ ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ وہ اپنی ہی مدد پر قادر ہیں۔ وہ تو سب کے سب اللہ کے بندے ہیں۔ بتوں کے پوجنے والے اگرچہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان پتھروں اور لکڑیوں کو نہیں پوج رہے بلکہ یہ جن بزرگوں کے بت ہیں ہم ان کا وسیلہ اختیار کرتے ہیں، ورنہ یہ بت تو نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں، مگر عوام کی سطح پر ان بتوں ہی کو سب کچھ سمجھا جاتا ہے۔ عقیدت منداُن کا دھوون پیتے ہیں، اُس کے سامنے ڈنڈوت کرتے اور حلوے مانڈے پیش کرتے ہیں۔ گویا عوام ان ہی کو معبود سمجھتے ہیں کہ وہی ہماری مشکل کو حل کریں گے۔

جنہیں تم پکار رہے ہو اُن میں کوئی طاقت واختیار نہیں ہے۔ وہ تمہاری مدد کی استطاعت ہی نہیں رکھتے۔ اُن میں تمہاری مدد کرنے کی طاقت ہی نہیں ہے بلکہ وہ تو اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی اُن کو توڑنا پھوڑنا چاہے تو ذرا بھی مزاحمت نہیں کر سکتے۔

فرمانِ نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

مسلمان ظلم کا حامی نہیں ہو سکتا

عَنْ اَوْسِ بْنِ شُرَحْبِيْلٍ ؓ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: ((مَنْ مَشٰى مَعَ ظَالِمٍ لِيُقَوِّيَهٗ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ)) (مشکوٰۃ، باب الظلم)

حضرت اوس بن شرحبیل ؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ: ”جو شخص ظالم کو ظالم سمجھتے ہوئے اس کا ساتھ دے وہ اسلام سے نکل جاتا ہے۔“

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رفقاءِ تنظیم کے نام

اُمت مسلمہ کے لئے اللہ اور اُس کے آخری رسول ﷺ نے سال میں دو دن بطور عید مقرر کئے، یکم شوال کو عید الفطر سے موسوم کیا گیا اور دس ذوالحجہ کو عید الاضحیٰ کا نام دیا گیا۔ ان دو دنوں کے علاوہ کسی تیسرے دن کو عید قرار دینا یقیناً بدعت ہے اور اللہ اور رسول ﷺ کی منشاء کے خلاف ہے۔ البتہ اسے محض لغوی معنی کے حوالہ سے دیکھا جائے تو اس کا مطلب ہے لوٹ کر آنے والا دن۔ اور اس میں خوشی اور اظہارِ مسرت کا عنصر بھی مضمر ہے۔ اس لئے کہ اُس ماہ مبارک کو پالینا جسے اللہ رب العزت نے اپنا مہینہ کہا ہے اور اُس کی ایک رات کو ہزار مہینوں سے افضل قرار دیا اور ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم سنت کو ادا کر لینا، اس سے بڑی خوش نصیبی کیا ہوگی۔ چنانچہ اردو زبان میں لفظ 'عید' کو خوشی اور جشن کا مترادف قرار دیا گیا۔ اسی لئے کہا اور لکھا جاتا ہے کہ "فلاں کی تو عید ہوگئی"۔ یہ عید ہر انسان کی اپنی سوچ، فکر، خواہشات اور ترجیحات کے مطابق ہوتی ہے۔ مثلاً اپنے کاروبار اور تجارت کو ترجیح اول دینے والے تاجر کا مال دُگنی اور چوگنی قیمت پر فروخت ہوجائے تو اُس کی عید ہوجاتی ہے۔ ایک سماجی کارکن جب رضا کارانہ طور پر کسی کی مدد کرتا ہے تو اُس کا دل خوشی سے معمور ہوجاتا ہے۔ ایک سیاسی کارکن جب اپنے لیڈر کا جلسہ کامیابی سے منعقد کراتا ہے یا اپنے حلقہ سے اسمبلی کا ممبر بنواتا ہے تو خوشی سے پھولے نہیں سماتا، اس لئے کہ سیاست سے دلچسپی کے علاوہ اُس کے ذاتی مفادات بھی اس کامیابی سے وابستہ ہیں۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو کسی تحریک کا سالانہ اجتماع بھی کارکنوں کے لئے عید کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ تنظیم اسلامی کے رفقاء چونکہ رضائے الٰہی کے لئے اقامت دین کی جدوجہد میں ہم سفر اور ہم رکاب ہیں، لہٰذا ساتھیوں کی ایک بڑی تعداد دیکھ کر اُن کے ایمان کو جلا ملتی ہے۔ ملک کے کونے کونے اور بیرون ملک سے آئے ہوئے رفقاء کو اپنے فکری اور تحریکی بھائیوں سے مل بیٹھنے کا موقع میسر آتا ہے۔ اس باہمی رابطہ سے اخوت و محبت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ تبادلۂ خیال سے فکر میں پختگی پیدا ہوتی ہے۔ دنیوی اُمور اور روٹین کے کاموں سے بالکل الگ تھلگ ہو کر ایک پاکیزہ ماحول میں ایک کارکن کو یہ موقع ملتا ہے کہ وہ ماضی میں ہونے والی اپنی کوتاہیوں پر نگاہ ڈالے، اللہ اور اس کے محبوب رسول ﷺ جن چیزوں کو ناپسند کرتے ہیں، ان سے ہجرت کا عہد کرے اور باقی ماندہ زندگی میں اللہ کی غیر مشروط بندگی اور رسول کریم ﷺ کی پیروی کا عزم کرے۔ رفیق محترم، دنیا کے جھنجھٹ میں ان چیزوں پر غور کرنے کا موقع کہاں میسر آتا ہے۔ انسان صرف اتنی بات پر غور کرلے کہ 50 یا 60 سالہ زندگی کو آسودہ اور خوشنما بنانے کے لئے اسے کولہو کا بیل بننا پڑتا ہے تو ابدی اور لامحدود زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے کتنی محنت درکار ہوگی۔ ہم مطلوبہ محنت کر رہے ہیں؟ اس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

رفیق محترم، یہ دینی ذمہ داریاں ایک مسلمان کو عام حالات میں ادا کرنا ہوتی ہیں۔ آج مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے حالات عام نہیں، خاص ہیں۔ دشمن نے بڑی حکمت سے اپنی جنگ ہمارے سر تھوپ دی ہے اور ہمارے رہنماؤں نے بڑی حماقت سے اس پرائی آگ میں چھلانگ لگادی ہے۔ ملک کی باگ ڈور بدقسمتی سے سیکولر عناصر کے ہاتھ میں ہے۔ ایمان کے فقدان کی وجہ سے وہ دنیوی دولت، اقتدار اور قوت کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ اس پس منظر میں ایک رفیق تنظیم کی ذمہ داریاں دوچند ہوگئی ہیں۔ رفیق محترم، اس وقت ہم ایک ایسی کشتی کے سوار ہیں جو خوفناک طوفانی لہروں کی زد میں ہچکولے کھا رہی ہے۔ بدقسمتی سے اسے اندر سے بھی

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 18 — شمارہ 43
14 تا 20 ذوالقعدہ 1430ھ
3 تا 9 نومبر 2009ء

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mall:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700
فون: 5869501-03 فیکس: 5834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 10 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرون ملک......300 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا----------(2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

کچھ لوگ پھاڑ رہے ہیں۔ اس کشتی کو حفاظت اور سلامتی سے کنارے لگانا ہماری دینی ذمہ داری بھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانانِ پاکستان اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں کہ استحکام پاکستان اور ہماری اُخروی نجات کے لئے دینی ذمہ داریاں ایک ہی سمت میں محنت اور جانفشانی کا تقاضا کرتی ہیں، یعنی اگر پاکستان میں اسلامی نظام نافذ ہوجائے تو پاکستان نہ صرف ناقابل تسخیر ہوسکتا ہے بلکہ سپر پاور آف دی ورلڈ بن کر اُبھر سکتا ہے اور جو لوگ اسے اسلامی فلاحی ریاست بنانے میں کردار ادا کریں گے، وہ اللہ کی رضا پا کر امر ہوجائیں گے۔ دنیا میں سرفراز ہوں گے اور جنت اُن کی منتظر ہوگی۔ بصورت دیگر سیکولر پاکستان میں ہم ولدل میں دھنستے چلے جائیں گے۔ ہم مکڑی کی طرح ایسا جال بُن لیں گے جس میں خود ہی پھنس کر ہلاک ہوجائیں گے یا ہم دہشت گردی کے نام پر لڑی جانے والی جنگ میں ایک دوسرے کو جلا کر بھسم کردیں گے۔

رفقاءِ محترم! اپنی دنیا سنوارنے، پاکستان کو مستحکم کرنے اور آخرت میں کامیاب ہونے کا صرف اور صرف ایک ہی طریقہ ہے اقامت دین کی جدوجہد میں عملاً اپنا تن من دھن لگا دیں، باتوں سے کام نہیں چلے گا۔ پانی سر سے گزرنے کو ہے، فیصلہ کیجئے دل یا شکم۔ اس سالانہ اجتماع میں صف بستہ ہوکر دیگر رفقاء سے کاندھے سے کاندھا ملا کر اس عہد کو تازہ کریں کہ میرے رب نے اقامت دین کی جو جدوجہد مجھ پر فرض کی ہے، اُسے اپنے دنیوی اُمور پر ترجیح دوں گا۔ میں دین کی دعوت جس قدر ہوسکا، خاص و عام تک پہنچاؤں گا اور ایسے مثالی نظم کا مظاہرہ کروں گا کہ حکم ملنے پر قدم بڑھاؤں گا اور حکم ملنے پر رک جاؤں گا۔ اے اللہ رب العزت، ہم سب کو اپنا عہد نبھانے کی توفیق عطا فرما اور ہمیں عہد شکنی کی ذلت سے محفوظ فرما۔ آمین یارب العالمین۔ آخر میں ہم بلاتشبیہ عرض کریں گے کہ کسی تحریک کا رُکن اگر سالانہ اجتماع میں بھی شرکت نہیں کرتا تو وہ اتنا ہی معیوب ہے جتنا کسی مسلمان کے لئے عید کی نماز نہ پڑھنا۔ فقہی طور پر نہ سہی، اخلاقی طور پر یہ صد فیصد درست ہے۔

قانون تحفظ ناموسِ رسالت
میں ترمیم حضور خاتم النبیین ﷺ کی
شفاعت سے محرومی کا باعث ہے
قانون تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ میں حکومت کوئی ترمیم نہ کرے
اہلِ ایمانِ پاکستان اِس کو کبھی برداشت نہیں کریں گے
حکمرانوں سے دردمندانہ اپیل
سرکاری حکام اور ارباب حل وعقد سے اپیل ہے کہ وہ عقیدہ ختم نبوت اور ناموس رسالتؐ کے وفادار بن کر رہیں اور کسی عہدہ کے لالچ یا دنیا کی عارضی عزت کے بدلے خاتم النبیین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے وفائی کرتے ہوئے منکرین ختم نبوت اور گستاخان رسول کی حوصلہ افزائی نہ کریں۔
عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت ملتان پاکستان
061-4514122, 042-5862404

شرک کی حقیقت اور اس کی اقسام سے واقفیت' اور دورِ حاضر کے شرک سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے مطالعہ کیجیے:
حقیقت واقسامِ شرک
بانیٔ تنظیم اسلامی
ڈاکٹر اسرار احمد
کے چھ فکر انگیز خطابات
معیاری کمپیوٹر کمپوزنگ ✿ عمدہ طباعت ✿ 128 صفحات
قیمت: اشاعت عام: 50 روپے' اشاعت خاص: 90 روپے
شائع کردہ: مکتبہ خدام القرآن لاہور
36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون: 3-5869501

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

مسلمانانِ پاکستان پر

خوف و دہشت کا عذاب — کیوں؟

ضرورت اس بات کی ہے کہ ذرائع ابلاغ کے پروپیگنڈے کے زیر اثر خرابیٔ حالات کی ذمہ داری طالبان پر ڈالنے کی بجائے اہل دانش صورتحال کا بے لاگ تجزیہ کر کے حقائق کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کریں۔ پھر یہ کہ اُن پالیسیوں کو تبدیل کیا جائے جنہوں نے ہمیں اس حال تک پہنچایا ہے۔ محض طالبان کو موردِ الزام ٹھہرا دینے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کے 12 اکتوبر 2009ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[آیات قرآنی کی تلاوت اور خطبہ مسنونہ کے بعد]

حضرات! پاکستان کے حالات جو شکل اختیار کر چکے ہیں، وہ نہایت ہی خوفناک، مہیب اور پریشان کن ہے۔ ہماری کیفیت بعینہٖ اُس بستی کی سی بن گئی ہے، جس کا نقشہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں کھینچا ہے۔

﴿وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا قَرْیَۃً کَانَتْ اٰمِنَۃً مُّطْمَئِنَّۃً یَّاْتِیْھَا رِزْقُھَا رَغَدًا مِّنْ کُلِّ مَکَانٍ﴾

’’اور اللہ ایک بستی کی مثال بیان فرماتا ہے کہ (ہر طرح) امن چین سے بستی تھی۔ ہر طرف سے رزق بافراغت چلا آتا تھا۔‘‘

﴿فَکَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰہِ﴾

’’مگر اُن لوگوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی‘‘

﴿فَاَذَاقَھَا اللّٰہُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ٥﴾ (آیت:112)

’’تو اللہ نے اُن کے اعمال کے سبب اُن کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا کر (ناشکری کا) مزہ چکھا دیا۔‘‘

یہ بستی جیسا کہ اِن آیات سے واضح ہے، ایک پُرسکون بستی تھی۔ یہاں امن وامان کا دور دورہ تھا۔ خوف اور دہشت کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اللہ نے بستی کا جو رزق طے کر دیا تھا، وہ ہر طرف سے چلا آتا تھا۔ بستی والوں کو اس کی بھی کوئی فکر نہیں تھی۔ ان احسانات کا تقاضا یہ تھا کہ وہ لوگ اللہ کا شکر ادا کرتے۔ مگر بجائے شکر کے انہوں نے کفرانِ نعمت کی روش اپنائی۔ نتیجہ کیا ہوا؟ اللہ نے انہیں بھوک کا مزہ چکھایا اور خوف کا لباس اوڑھا دیا۔ اللہ نے ان پر بھوک اور خوف کے دو عذاب کیوں مسلط کیے؟ اس لیے نہیں کہ (نعوذ باللہ) اللہ ظالم ہے، بلکہ یہ عذاب اُن کی اپنی حرکتوں اور کرتوتوں کا نتیجہ تھے۔ آپ اپنے حالات پر غور کریں، ہمارے ہاں بھوک کی جو کیفیت ہے، وہ ہر ایک پر عیاں ہے۔ غربت وافلاس کا یہ عالم ہے کہ یہ لوگ زندگی سے تنگ آ کر خودکشیاں کر رہے ہیں۔ امن وامان کی حالت جتنی آج خراب ہے، اتنی ماضی میں کبھی نہیں تھی۔ ہر طرف خوف اور دہشت کا راج ہے۔ تعلیمی ادارے تک بند کر دیے گئے ہیں۔ ہر طرف ناکے لگے ہوئے ہیں۔ کچھ پتہ نہیں کب کہیں دھماکہ ہو جائے۔ اور یہ کیفیت اس وقت پورے ملک کی ہے۔ جہاں تک قبائلی علاقوں کی بات ہے جن پر ہم امریکی دباؤ کے تحت فوج کشی کر رہے ہیں، وہاں تو عرصہ دراز سے لوگ پریشان ہیں، اور موت ننگا ناچ ناچ رہی ہے۔ اندازہ کیجیے، جب فضا میں ڈرون طیارے گھوم رہے ہوں اور کسی بھی وقت کسی ہنستی بستی آبادی یا گھرانے پر حملہ ہو سکتا ہو تو اُن لوگوں کے خوف کی کیا کیفیت ہوگی۔

> ہم دجالی فتنے کے دور میں جی رہے ہیں۔ دجل نام ہی اس کا ہے کہ حقیقت پر پردہ ڈال دیا جائے، اصل حقائق اور واقعات کو صحیح صورت میں دکھانے کی بجائے توڑ مروڑ کر دکھایا جائے

اس کا کسی قدر احساس شاید اب ہمیں ہو جائے، کہ اب ہم سب کو بھی خوف اور دہشت کا سامنا ہے، ورنہ ماضی میں تو ہم قبائلی بھائیوں کے دردناک حالات سے یکسر غافل تھے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ بھوک اور خوف و دہشت یہ سب انسان کی اپنی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ اللہ کی نعمتوں پر شکر بجالائیں۔ شکر کا تقاضا پورا تب ہوتا ہے، جب زبان سے بھی اللہ کا شکر ادا کیا جائے، اور ہمارے عمل سے بھی یہ ظاہر ہو کہ فی الواقع ہم اُسی کے بندے ہیں اور وہ ہمارا رب ہے۔ اُسی کی شریعت پر خود بھی عمل کریں اور اُس کے دستور وقانون کو نافذ بھی کریں۔

آج ہم جس گمبھیر صورتحال سے دوچار ہیں اِس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم شکر الٰہی کا تقاضا پورا کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اسلام ہماری اولین ترجیح نہیں ہے۔ بحیثیت مجموعی ہماری زندگیوں کا رخ اپنے رب کی بندگی کی طرف ہونے کی بجائے مادہ پرستی کی جانب ہے۔ ہر طرف نفس پرستی ہو رہی ہے۔ اللہ کی شریعت کے ساتھ وفاداری کا خیال ہی نہیں رہا۔ ہاں ہم نماز پڑھ لیں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہماری نمازیں حضوری کی کیفیت سے خالی ہیں۔ نماز تو اللہ کے سامنے حاضری، اللہ سے ہم کلامی اور مناجات کا نام ہے۔ یہ ایمان کی یاددہانی ہے، لیکن ہمیں اس کا شعور ہی نہیں کہ نماز میں کیا پڑھ رہے ہیں، بلکہ بسا اوقات امام کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے ہمیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کب نماز کی نیت باندھی اور کب سلام پھیر لیا۔ اس لیے کہ نماز میں اپنے مالک کے دھیان کی بجائے دنیا بھر کے مسائل کے حل کے لیے پلاننگ کر رہے ہوتے ہیں۔ سرمایہ دار طبقہ کی حالت پر غور کیجیے۔ یہ لوگ حج اور عمرے تو

کر لیتے ہیں لیکن ان کا کاروبار زمانے کے دستور ہی کے مطابق چلتا ہے۔ حلال وحرام کی انہیں کوئی پروا نہیں ہوتی۔ انہیں غرض صرف اس بات سے ہے کہ پیسہ آنا چاہیے، خواہ جس ذریعے سے آئے۔ اس کے لیے وہ جھوٹ، فریب، ملاوٹ اور دھوکہ دہی الغرض ہر ناجائز حربہ اختیار کرتے ہیں۔

میرے بھائیو! اس وقت سب سے اہم بات یہ ہے کہ موجودہ مخدوش ملکی حالات کو صحیح تناظر میں سمجھا جائے اور صورتحال کی تہہ تک پہنچا جائے۔ یہی چیز سب سے مشکل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم دجالی فتنے کے دور میں جی رہے ہیں۔ دجل نام ہی اس کا ہے کہ حقیقت پر پردہ ڈال دیا جائے، اصل حقائق اور واقعات کو صحیح صورت میں دکھانے کی بجائے توڑ مروڑ کر دکھایا جائے، ملمع سازی کی جائے۔ حقیقت وہ نہ ہو جو آپ کے کان سُن رہے ہوں یا آنکھیں دیکھ رہی ہوں، بلکہ کچھ اور ہو۔ دجالی فتنے کا مظہر ہے کہ آج کے دور میں جو کھلی حقیقتیں ہیں، شیطانی قوتوں کے ذریعے اُن پر پردہ ڈال کر انہیں غلط انداز سے دکھایا جا رہا ہے۔

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

اس کی سب سے بڑی مثال نائن الیون کا واقعہ ہے۔ سائنسی حقائق اور واقعاتی شہادتوں کے اعتبار سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ اس واقعہ کا ذمہ دار اسامہ بن لادن اور طالبان کو قرار دینا، اس دور کا سب سے بڑا جھوٹ، فریب اور دجالیت کا مظہر ہے۔ آج تک اس بات کے ثبوت فراہم نہیں کیے جاسکے کہ اس معاملے میں اسامہ بن لادن یا طالبان ملوث تھے۔ اب حقیقت بے نقاب ہو چکی ہے۔ اس پر بے شمار ویڈیو آ چکے ہیں۔ ان میں بتایا گیا ہے کہ جڑواں ٹاورز سے ٹکرانے والے جہاز اگر مکمل طور پر بھی ایندھن سے بھرے ہوتے، اور ٹکرا کر وہ آگ کے شعلے میں بھی تبدیل ہو جاتے، پھر بھی اُس آگ کی تپش اتنی نہ ہوتی کہ وہ عمارتوں کے اندر استعمال ہونے والے سٹیل کو فوراً پگھلا دیتی اور عمارت دھڑام سے نیچے آ گرتی۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اس مقصد کے لئے بلڈنگ کے اندر خصوصی explosive استعمال کیے گئے، جن سے یہ ٹاور دھڑام سے نیچے آ گرے۔ دراصل یہ بہت بڑا ڈرامہ تھا جو موساد اور سی آئی اے نے سٹیج کیا۔ یہ یہودیوں کی کارستانی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کارروائی اس دن کی گئی جس دن یہودی چھٹی پر تھے۔ لیکن یہودیوں کے کنٹرولڈ میڈیا نے اس کا سارا الزام اسامہ اور طالبان پر عائد کر دیا۔ ابھی جڑواں ٹاورز سے دھواں نکل ہی رہا تھا کہ میڈیا کی توپوں کا رُخ افغانستان کی طرف موڑ دیا گیا۔ اس پروپیگنڈے کے نتیجے میں ساری دنیا امریکہ کی ہمنوا ہوگئی۔ ہر جانب سے یہ کہا جانے لگا کہ القاعدہ نے بہت بڑا ظلم کیا ہے۔ یہاں تک کہ سارے مسلمان ممالک بھی افغانستان کے خلاف امریکہ کے ساتھ مل گئے اور امریکہ اور نیٹو نے پاکستان کی مدد سے افغانستان پر یلغار کر کے اُس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ بلاشبہ نائن الیون کا واقعہ تاریخ کا سب سے بڑا ڈرامہ اور دجل کی سب سے بڑی مثال ہے۔

ہمارے ہاں سوات آپریشن ہوا۔ اُس بارے میں بھی میڈیا کے ذریعے غلط پروپیگنڈا کیا گیا اور قوم کو حقائق سے بے خبر رکھا گیا۔ کہا گیا کہ سوات میں طالبان موجود ہیں جنہوں نے شورش برپا کر رکھی ہے، اور یوں طالبان کو بدنام کیا گیا، حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ وہاں طالبان کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری فوج 2007ء ہی میں سوات میں داخل ہوئی تھی، اور آپریشن 2009ء میں کیا گیا۔ جہاں تک تحریک نفاذ شریعت محمدیؐ کا تعلق ہے تو وہ مقامی لوگوں کی تحریک تھی، جن کا طالبان سے کوئی جغرافیائی اور نسلی تعلق نہیں تھا۔ ہاں وزیرستان کا علاقہ جو افغانستان کے ساتھ جڑا ہوا ہے، یہاں سرحد کے

> **اللہ کے احسانات کا تقاضا یہ تھا کہ لوگ اُس کا شکر ادا کرتے۔ مگر بجائے شکر کے انہوں نے کفران نعمت کی روش اپنائی۔ نتیجہ کیا ہوا؟ اللہ نے انہیں بھوک کا مزہ چکھایا اور خوف کا لباس اوڑھا دیا**

پریس ریلیز 28/ اکتوبر 09ء

اسلام آباد میں بلیک واٹر کی گاڑی سے اسلحہ کی برآمدگی پر گرفتاری کے بعد محکمہ داخلہ کی جانب سے مداخلت پر رہائی شرمناک ہے

قانون کی خلاف ورزی کرنے والے امریکیوں کو سخت ترین سزا دینی چاہیے

حافظ عاکف سعید

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے اسلام آباد میں بلیک واٹر کی گاڑی سے اسلحہ کی برآمدگی پر گرفتاری اور بعد ازاں، محکمہ داخلہ کی جانب سے مداخلت پر رہائی کی خبر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ کیا حکومت نے غیر ملکیوں کی وطن عزیز میں پراسرار سرگرمیوں کے بارے میں بھی کوئی این آر او جیسا معاہدہ کر رکھا ہے۔ ملک کے مختلف صوبوں میں غیر ملکیوں کی پراسرار سرگرمیوں کا نہ صرف حکومت کی جانب سے کوئی سنجیدہ نوٹس نہ لیا جانا بلکہ غیر ملکی سفارت خانے اور اپنے محکمہ داخلہ کی مداخلت پر ان کے خلاف قانونی کارروائی سے روکا جانا عوام کے لیے شدید الجھن اور بے چینی کا باعث بنا ہوا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ حکومتی رٹ کے نام پر ہم وطن قبائلیوں کا بے دریغ خون بہانے والی حکومت امریکیوں کے سامنے بھیگی بلی بن جاتی ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ قانون کی خلاف ورزی کرنے والے امریکیوں کو سخت ترین سزا دینی چاہیے خصوصاً ایسے موقع پر جبکہ وطن عزیز کو اندرونی اور بیرونی شدید خطرات لاحق ہیں اور دشمن ہمارے ایٹمی پلانٹ کی تاک میں ہے، حکومت کو چوکس رہنا چاہیے ورگرنہ دشمن اپنا ہدف حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی پاکستان

دونوں جانب ایک ہی قبائل، ایک زبان بولنے والے اور ایک ہی کلچر کے حامل لوگ ہیں، یہاں کے لوگوں کو آپ طالبان کہہ سکتے ہیں، لیکن سوات والوں کو کس بنیاد پر طالبان کہا گیا۔ کیا اس بنیاد پر کہ وہ اپنے ہاں نفاذِ شریعت کا مطالبہ کر رہے تھے؟ سوات میں تخریب کاری کے کئی ایسے واقعات ہوئے جن میں ہمارے حکومتی عناصر ملوث تھے لیکن اُن کا الزام بھی غلط طور پر طالبان پر ڈال دیا گیا۔ ہمارے میڈیا نے بھی یہی رٹ لگائے رکھی کہ طالبان سکول تباہ کر رہے ہیں، لوگوں کو ذبح کر رہے ہیں۔ اور یہ سب کچھ امریکہ کی ڈکٹیشن پر ہوتا رہا ہے۔ پھر جب فوجی آپریشن شروع ہوا تو میڈیا کے دروازے بند کر دیے گئے۔ چنانچہ میڈیا نے آئی ایس پی آر کی پریس ریلیز، اُس پر مذاکروں اور تبصروں پر اکتفا کیا۔ یہ ہے جمہوریت جس کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس میں لوگوں کو اظہارِ رائے کی آزادی ہوتی ہے، اور یہ نظام انسانیت کی معراج ہے۔ اس میں حکومت چلانے میں تمام لوگ شریک ہوتے ہیں۔ اقبال کی حقیقت بین نگاہ نے جمہوریت کی حقیقت کو اچھی طرح جان لیا تھا۔ اسی لیے انہوں نے کہا تھا کہ ؎

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر

اسی طرح مغربی تہذیب بھی فریبِ نظر کے سوا، کچھ نہیں، مگر میڈیا اُس کی ترویج کر رہا ہے۔ میڈیا اور سرمایہ کے بل بوتے حقائق کو اور ہی رنگ میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اسلام دشمن طاقتیں اصل حقیقت کو چھپا کر دنیا کو جو دکھانا چاہتی ہیں، دکھا رہی ہیں، اور دنیا ہے کہ اس کو سچ مان رہی ہے۔ دراصل میڈیا کی مہار یہود کے ہاتھوں میں ہے جو دجالی تہذیب کے علمبردار اور شیطان کے سب سے بڑے آلۂ کار ہیں۔

بہرحال اصل چیز یہ ہے کہ حقائق و واقعات کی تہہ تک پہنچا جائے۔ اُن کی حقیقت تک رسائی حاصل کی جائے۔ نبی کریم ﷺ یہ دُعا فرمایا کرتے تھے کہ ((اللّٰھم ارنی حقیقۃ الاشیاء کما ھی)) ''اے میرے پروردگار! مجھے اشیا کی حقیقت دکھا جیسے کہ وہ ہیں۔'' اگر ہم چیزوں کی حقیقت کو نہیں جان پاتے، بلکہ میڈیا کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کہتے رہتے ہیں تو یہ بڑی کوتاہ نظری ہے۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؎

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

(جاری ہے) [مرتب: محبوب الحق عاجز]

امریکہ کی غلامی چھوڑو! ربّ کی غلامی اختیار کرو!

یہ کیا ہو رہا ہے؟

آج پاکستان بدترین دہشت گردی کا شکار ہے۔ بالخصوص پشاور اور اسلام آباد میں آئے روز بے گناہ عوام اور معصوم جانیں دہشت گردی کا نشانہ بن رہی ہیں۔

غور طلب بات یہ ھے کہ انہی دو شہروں میں بلیک واٹر اور ڈائن کارپ جیسی بدنام زمانہ سکیورٹی ایجنسیوں کے غیر ملکی مسلح غنڈے افغانیوں کا بھیس بدل کر دندناتے پھرتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ ان کی گاڑیوں سے جدید ترین مہلک اسلحہ اور بارود بھی برآمد ہوتا ہے لیکن پھر محکمہ داخلہ کی فوری مداخلت پر ملک وقوم کے ان دشمنوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

اور ستم در ستم یہ ھے کہ ان شہروں میں جب دہشت گردی کی کوئی واردات ہوتی ہے تو فوری طور پر اسے طالبان کے کھاتے میں ڈال کر میڈیا میں ان کے خلاف طوفان کھڑا کر دیا جاتا ہے۔

کیا ہمارا یہ طرزِ عمل دہشت گردی کو ختم کرنے کی بجائے اس کے فروغ کا موجب نہیں ہے؟

سیدھی سی بات ہے

امریکی مداخلت کو ختم کیے بغیر ملک سے دہشت گردی کا خاتمہ ممکن نہیں ہے!

تنظیم اسلامی

67۔علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور۔فون 36366638، 36316638

عیدالاضحیٰ اور فلسفہ قربانی

قرآن حکیم کے آئینے میں

بانی تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد** مدظلہٗ

کی ایک تقریر اور ایک تحریر پر مشتمل مختصر مگر جامع کتابچہ

قیمت اشاعت خاص: 25 روپے، اشاعت عام: 15 روپے (علاوہ ڈاک خرچ)

مکتبہ خدام القرآن لاہور 36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون 5869501-03

قرضِ حسن کا مفہوم، ترغیب اور اس کا اجر و ثواب

حافظ محمد مشتاق ربانی

قرضِ حسن قرآن کی ایک ایسی اصطلاح ہے جو قرآن حکیم میں کئی مرتبہ وارد ہوئی ہے۔ اس سے مراد ایسا مال ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ ایسے مال کو اللہ تعالیٰ اپنے ذمے قرض قرار دیتا ہے، جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ کئی گنا تک دے گا۔

عام طور پر قرضِ حسن سے مراد ایسا قرض لیا جاتا ہے جو بغیر سود کے کسی کو دیا جائے، حالانکہ قرآن حکیم میں کسی مقام میں بھی اس اصطلاح سے ایسا مفہوم نہیں نکلتا ہے جو عموماً لوگ بیان کرتے ہیں۔ عموماً قرضِ حسن میں اللہ کے راستے میں صرف مال و دولت خرچ کرنا سمجھے جاتے ہیں لیکن صاحب کشاف اور امام بیضاویؒ نے قرضِ حسن کے مفہوم میں مال خرچ کرنے کے علاوہ دین اسلام کی سربلندی کے لیے کی جانے والی کوشش کو بھی بیان کیا ہے جیسا کہ تفسیر بیضاوی میں سورۃ البقرۃ کی آیت 245 کی تفسیر میں ہے: ’’قرضِ حسن یہ (بھی) ہے کہ اللہ کے دین کی سربلندی کی جدوجہد کی جائے اور اللہ کے راستے میں خرچ کیا جائے۔‘‘

قرضِ حسن کی ترغیب کے لیے اللہ تعالیٰ نے نہایت دلنشیں اسلوب اختیار کیا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗۤ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً ؕ﴾ (البقرہ:245) ’’کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسن دے اور اللہ اس کو کئی گنا بڑھا کر دے۔‘‘ اس آیت میں ’’مَنْ‘‘ استفہام کے لیے ہے جو انتہائی ترغیب دلا رہا ہے کہ کوئی ہے جو یہ کام کرے۔

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب سورۃ البقرہ کی آیت:245 نازل ہوئی تو حضرت ابوالدحداح الانصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض چاہتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں اے ابوالدحداح۔ انہوں نے کہا: ذرا اپنا ہاتھ مجھے دکھایئے۔ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ اپنے صحابی کی طرف بڑھایا۔ انہوں نے آپ ﷺ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ میں نے اپنے رب کو اپنا باغ دے دیا۔ اور ان کے باغ میں اس وقت چھ سو کھجوروں کے درخت تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے یہ بات کر کے وہ سیدھے اپنے گھر پہنچے اور بیوی کو پکار کر کہا۔ ام دحداح کی ماں! نکل آؤ میں نے یہ باغ اپنے رب کو قرض میں دے دیا ہے۔

اسی طرح صحیح مسلم میں ایک حدیث قدسی ہے جو قرضِ حسن کے مفہوم کو خوب نکھارتی ہے۔ ارشاد ہے: ’’بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا، اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھ کو کھانا نہ دیا۔ وہ کہے گا، اے رب! میں تجھ کو کیسے کھانا کھلاتا، تو مالک ہے سارے جہاں کا۔ پروردگار فرمائے گا، کیا تو نہیں جانتا میرے فلاں بندہ نے تجھ سے کھانا مانگا، تو نے اس کو نہ کھلایا۔ اگر تو اس کو کھلاتا تو اس کا ثواب میرے پاس پاتا۔ اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے پانی مانگا، تو نے مجھ کو پانی نہ پلایا۔ بندہ بولے گا، میں تجھے کیونکر پلاتا تو مالک ہے سارے جہاں کا۔ پروردگار فرمائے گا، میرے فلاں بندہ نے تجھ سے پانی مانگا، تو نے اس کو نہیں پلایا۔ اگر پلاتا تو اس کا بدلہ میرے پاس پاتا۔‘‘

واضح رہے کہ قرضِ حسن زکوٰۃ کے علاوہ ہے چنانچہ قرآن حکیم میں اس کا ذکر زکوٰۃ بیان کرنے کے بعد کیا گیا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ’’اور نماز قائم کرتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کی راہ میں قرضِ حسن دیتے رہو۔‘‘ (المزمل:20) سنن دار القطنی (باب زکوٰۃ الحلی) میں حدیث نبوی ہے: ’’اور تمہارے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی محتاجوں کا حق ہے۔‘‘

قرضِ حسن کا اجر و ثواب ضروری نہیں کہ صرف نیکیوں کی صورت میں ہی ملے، اس کا اجر ملنے کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں جیسا کہ قرآن حکیم نے چند صورتیں بیان کی ہیں:

1۔ قرضِ حسن کے اجر میں کئی گنا اضافہ۔

اس کے اجر کے ملنے کا انحصار خلوص نیت پر ہے۔ جس قدر اخلاص زیادہ ہوگا، اسی قدر اجر زیادہ ملے گا۔ قرآن حکیم میں ہے: ’’اللہ اس کو کئی گنا بڑھا کر دے گا۔‘‘ (البقرہ:245) قرآن میں اس کا اصول ’’ایک کے بدلے سات سو گنا‘‘ بتایا گیا ہے۔ مشہور مفسر (تابعی) اسماعیل بن عبدالرحمٰن السدی کا قول ہے کہ ’’اس تضعیف (بڑھانے) کی اصل حقیقت کوئی نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے۔‘‘ قرآن میں تضعیف کی حقیقت اس آیت میں دیکھیں جس میں فرمایا: ’’جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان (کے مال) کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیں اُگیں اور ہر ایک بال میں سو سو دانے ہوں۔‘‘ اس مثال کو ذکر کرنے کے بعد بھی فرمایا: ’’اللہ جس کو چاہتا ہے زیادہ دیتا ہے۔ وہ بڑی کشائش والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔‘‘ (البقرہ:261)

2۔ اللہ کی معیت: اللہ کی معیت سے مراد اللہ کی نصرت کا حصول ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے، انبیاء و رسل کی مدد کرنے اور قرضِ حسن ادا کرنے والوں سے فرمایا: ’’میں تمہارے ساتھ ہوں۔‘‘ (المائدہ:12) یعنی میری مدد تمہیں حاصل رہے گی۔

3۔ مغفرت: قرضِ حسن کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو مغفرت حاصل ہو گی۔ جیسا کہ سورۃ المائدہ کی آیت:12 میں بیان کیا گیا ہے۔

4۔ تکفیر سیئات: قرضِ حسن چونکہ ایک عظیم نیکی ہے اور نیکی برائیوں کو ختم کر دیتی ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں یہ اصول بیان کیا گیا ہے: ’’کچھ شک نہیں کہ نیکیاں سیئات کو دور کر دیتی ہیں۔‘‘ (ھود:114) قرضِ حسن اور نماز قائم کرنے کے نتیجہ میں فرمایا: ’’میں لازماً تم سے تمہاری سیئات دور کر دوں گا۔‘‘ (المائدہ:12)

5۔ جنت میں داخلہ: قرضِ حسن سے ایک فائدہ جنت میں داخلہ ہے اور یہ بات بڑے مؤکد انداز میں بیان ہوئی ہے: ’’اور میں لازماً ان کو باغات میں داخل کروں گا جن کے دامن میں نہریں بہہ رہی ہوں گی۔‘‘ (المائدہ:12)

6۔ اجر کریم: اس اجر کریم میں تمام انعامات شامل ہیں جو قرضِ حسن کے نتیجے میں ملتے ہیں جن میں اللہ کی طرف سے حاصل ہونے والی مدد، مغفرت، تکفیر سیئات اور جنت میں داخلہ شامل ہیں۔

نفسا نفسی کے اس دور میں جبکہ سودی نظام لوگوں کی رگ و پے میں سرایت کر گیا ہے جس کی وجہ سے لوگ غربت و افلاس کی چکی میں پس رہے ہیں، ہمیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ایک طرف پسماندہ طبقات کی مالی مدد کریں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے اس کی راہ میں خرچ کریں۔ اللہ تعالیٰ کے ان راستوں میں خرچ کیا ہوا یہ مال ضائع نہیں جائے گا بلکہ یہ اللہ کے ذمے قرض ہوگا جس کا بدلہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں ملے گا۔

مسلم ممالک کے ایٹمی پروگراموں کا خاتمہ: مغرب کا ہدف

محمد سمیع

امریکہ کے صدر بارک حسین اوباما نے امریکی شہر پٹس برگ میں جی ٹونٹی سربراہی اجلاس کے بعد پریس بریفنگ دیتے ہوئے کہا تھا کہ امریکی مفادات کے تحفظ کے لئے ایران کے خلاف طاقت کا استعمال خارج از امکان نہیں۔ لیکن ان کی خواہش ہے کہ ایران کے ساتھ تنازعہ بات چیت سے حل ہو۔ ایک سوال کے جواب میں صدر اوباما نے ایران کو اب تک کی سخت ترین دھمکی دی اور کہا کہ ایران اب نوٹس پر ہے اور اس کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ وہ ایٹمی ہتھیار حاصل کرنے کی کوشش ختم کرکے اپنی ذمہ داری پوری کرتا اور معاشی ترقی کی جانب جاتا ہے یا پھر محاذ آرائی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ دنیا کے وہ ممالک بھی اس کے خلاف ہوگئے ہیں جو اس سے پہلے نہیں تھے۔ اس اثناء ایک برطانوی اخبار نے دعویٰ کیا ہے کہ ایران کی جوہری تنصیبات پر اسرائیلی حملے کی تیاریاں مکمل کرلی گئی ہیں اور اہم فیصلے کیے گئے ہیں۔ اخبار نے دعویٰ کیا ہے کہ لندن میں ایک خفیہ اجلاس کے دوران حملے کی تیاریوں کا جائزہ لیا گیا۔ اجلاس میں برطانوی اور اسرائیلی انٹیلی جنس حکام شریک ہوئے۔ اجلاس میں بتایا گیا کہ ایران پر حملے کے لئے اسرائیلی طیارے جن ممالک کی حدود سے گزریں گے وہ کوئی اعتراض نہیں کریں گے۔ ان ممالک کو فیصلے سے بھی آگاہ کردیا گیا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ ایرانی میزائل تجربات کے بعد حملے کے امکانات اور بھی بڑھ گئے ہیں۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ کراچی میں ایک سیمینار کے دوران امریکہ میں پاکستان کی سابق سفیر بیگم عابدہ حسین نے یہ انکشاف کیا تھا کہ ایک موقع پر جب امریکی حکام کی جانب سے پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر تنقید کی گئی تو موصوفہ نے فرمایا تھا کہ ایسی صورتحال میں جب کہ امریکہ کے بے شمار ایٹم بم ہیں، اس کی جانب سے پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر تنقید کا کیا جواز بنتا ہے تو جواب میں کہا گیا کہ

You know America is America and Pakistan is Pakistan .

یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب پاکستان کے اس قلعے میں کوئی دراڑ نہیں پڑی تھی۔ آج وطن عزیز دہشت گردی، معاشی زبوں حالی اور دیگر بحرانوں سے نبرد آزما ہے۔ بلیک واٹر کے کتے ہمارے اپنے ملک میں ہماری اپنی ایٹمی تنصیبات کی بو سونگھتے پھر رہے ہیں اور امریکہ چاہتا ہے کہ پاکستان کے اس ڈیٹرنٹ کا خاتمہ کرکے اسے بھارت کا تابع مہمل بنادے اور امریکہ کے چہیتے ہمارے حکمران بھارت سے مذاکرات کے لئے بے چین ہیں اور دوسری طرف بقول بانی پاکستان محمد علی جناح کے مغرب کی ناجائز اولاد اسرائیل ایران کے ایٹمی تنصیبات کے خاتمے کے لئے اپنے مربی کے زیر سایہ اقدامات کررہا ہے۔

سرزمین حجاز دنیا کے تمام مسلمانوں کے لئے مقدس ترین مقام کی حیثیت رکھتی ہے اور الحمد للہ سعودی حکام بھی امت مسلمہ کے مربی کی حیثیت سے مسلم ممالک کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کرتے ہیں۔ اس سعودی عرب کے بارے میں برطانیہ کے اخبار ڈیلی ایکسپریس میں ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے، جس کو پڑھ کر شدید صدمہ کی کیفیت طاری ہے۔ اللہ کرے کہ یہ رپورٹ غلط ہو۔ مغربی میڈیا بالعموم مسلمانوں کے بارے میں شرانگیز خبریں پھیلانے کا عادی ہے۔ لیکن اگر یہ شرانگیزی ہے تو سعودی حکام کو اس کا نوٹس لینا چاہئے تھا۔ ڈیلی ایکسپریس کی رپورٹ یہ ہے کہ سعودی سلطنت نے ایران پر حملے کے لئے اسرائیل کو اپنی فضائی حدود کے استعمال کی اجازت دے دی ہے۔ رپورٹ کے مطابق اس ایشو پر لندن میں ایک بند کمرے کے اجلاس میں بات چیت کی گئی ہے جس میں برطانوی انٹیلی جنس کے سربراہ سرجان اسکارلٹ اور ان کے اسرائیلی ہم منصب میر ڈیگان اور سعودی حکام موجود تھے۔ رپورٹ کے مطابق ایران کی جوہری تنصیبات پر حملے کے لئے تل ابیب سے سعودی فضائی حدود استعمال کی جاسکتی ہے۔ ایران کی جانب سے یورینیم کی افزودگی کی اپنی دوسری تنصیب کے اعلان کے بعد اس پر حملہ کے امکانات میں اضافہ ہوگیا ہے۔ اس رپورٹ کو اس بنیاد پر شرانگیز قرار دیا جاسکتا ہے کہ رپورٹ میں برطانوی اسرائیلی حکام کے ناموں کے ساتھ ان کا منصب بھی درج ہے لیکن سعودی حکام کی موجودگی کا تذکرہ تو ہے لیکن ان کے نام درج کیے گئے ہیں اور نہ ہی منصب۔ ممکن ہے کہ سعودی حکام نے اس خبر کی تردید کردی ہو لیکن بھلا مغربی میڈیا میں اتنی اخلاقی جرأت کہاں کہ تردید شائع کرتا۔ بہرحال اس شرانگیزی کا نوٹس لیا جانا چاہئے اور امت مسلمہ کے خلاف مغرب نے جو صلیبی جنگ شروع کر رکھی ہے، جسے دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ کا نام دیا جاتا ہے، اس سے ان مسلم ممالک کو ضرور الگ ہوجانا چاہئے۔ ایٹمی پروگرام خواہ وہ پاکستان کا ہو یا ایران کا، اُس کے خاتمے کو امریکہ نے اپنا ہدف بنایا ہوا ہے۔ ایسے میں مسلمان حکمرانوں کو خواب خرگوش سے بیدار ہوجانا چاہئے، اسی میں ان ممالک کی بقا کا دارومدار ہے بالخصوص وطن عزیز کے حکمرانوں کو کیونکہ بھارت اور افغانستان اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے اور اسرائیل کو اپنی فضائی حدود کے استعمال کی اجازت دے دیں گے، کیونکہ ایک تو ہمارا ازلی دشمن ہے اور دوسرا امریکہ ہی کے زیر اثر ہے۔

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو مغرب کی سازشوں سے محفوظ و مامون رکھے۔ آمین۔

نوشہرہ غربی خاص (جام پور) اور ملحقہ علاقوں
کے عوام کے لیے **خوشخبری**

15 دسمبر 2009 سے بعد نماز فجر
مسجد سادات میں

درس قرآن

کا آغاز کیا جارہا ہے

یہ درس میاں مظہر الٰہی دیں گے

تنظیم اسلامی نوشہرہ غربی تحصیل جام پورہ
ضلع راجن پور

"دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگراموں کے نتیجے میں کراچی میں بہت سارے نوجوان اپنا دنیوی کیریئر ترک کرکے قرآن کی خدمت سے وابستہ ہوگئے ہیں"

"1990ء میں جب پہلی مرتبہ دورۂ ترجمہ قرآن کرانے کا ارادہ کیا تو سخت مخالفت ہوئی کہ یہ نئی چیز شروع کی جارہی ہے"

شہر کراچی میں تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام نماز تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگراموں کے ربع صدی مکمل ہونے پر امیر تنظیم اسلامی حلقہ کراچی جنوبی

انجینئر حافظ نوید احمد سے انٹرویو

ملاقات: محمد سمیع

یہ غالباً 1988ء کی کسی صبح کا ذکر ہے جب میں نے پہلی مرتبہ برادرم انجینئر نوید احمد کو مسجد خضریٰ، صدر میں درس قرآن دیتے ہوئے دیکھا تھا۔ میں ان کے درس سے کچھ زیادہ متاثر نہیں ہوا تھا۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ میں جماعت اسلامی سے نیا نیا تنظیم اسلامی میں آیا تھا۔ لیکن مجھے کیا پتہ تھا تنظیم کی خاکستر میں موجود یہ چنگاری کبھی شعلہ جوالہ بن جائے گی۔ وہ نہ صرف انجینئر سے حافظ قرآن بھی بن جائیں گے بلکہ اپنے شوق ولگن کی بنیاد پر کراچی میں "بابائے مدرسین ومترجمین" کی حیثیت اختیار کرلیں گے۔ اس مقام پر پہنچنے میں انہیں کئی مراحل طے کرنے پڑے، جن میں تنظیم اسلامی کورنگی کی امارت اور تناظیم جنوبی (سوسائٹی اور گلشن اقبال) میں روح پھونکنے کے علاوہ انجمن خدام القرآن سندھ کے ڈائریکٹر اکیڈمکس کے مراحل کو عبور کرنے کے بعد آج وہ حلقہ تنظیم جنوبی کی امارت پر فائز ہوچکے ہیں۔ نوجوانی سے لے کر شعوری بلوغت کی سرحد کو عبور کرکے اب وہ ادھیڑ عمری کی جانب رواں دواں ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں عمر خضر عطا فرمائے، تاکہ وہ قرآن مجید کی خدمت کے ذریعہ اپنی ہی نہیں بہت سارے نوجوانوں کی آخرت کو سنوارنے میں لگے رہیں۔ تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام نماز تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمہ قرآن کی ربع صدی کی تکمیل کے موقع پر ہم نے ان سے انٹرویو کیا۔ ان کا انٹرویو قارئین ندائے خلافت کی خدمت میں پیش ہے:

س: برادرم نوید احمد صاحب! آپ نے الحمدللہ، نماز تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام کی ربع صدی مکمل کرلی ہے۔ بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کا ذہن 1984ء میں اس پروگرام کی طرف منتقل ہوا، جب پہلی مرتبہ انہوں نے قرآن اکیڈمی کی مسجد جامع القرآن میں اس کی سعادت حاصل کی۔ اس موقع پر میں نے سوچا کہ آپ کا انٹرویو قارئین ندائے خلافت کے لئے کیا جائے۔ کراچی کی حد تک اس پروگرام میں آپ کا جو contribution ہے، اس کی تفصیل میں جائے بغیر چند سوالات آپ کی خدمت میں پیش کررہا ہوں۔ توقع ہے کہ آپ کے جوابات سے نہ صرف قارئین ندائے خلافت بلکہ تنظیم کے رفقاء کی معلومات میں اضافہ ہوگا۔

ج: آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے یہ اعزاز بخشا کہ ندائے خلافت کے فورم کو استعمال کرتے ہوئے دورۂ ترجمہ قرآن کے حوالے سے معلومات قارئین تک پہنچا سکوں۔ اللہ کرے، اس کے نتیجے میں ہمارے رفقاء کا جذبہ بھی تیز سے تیز تر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رمضان المبارک کے دوران دورۂ ترجمہ قرآن کی نعمت عطا کی ہے جس کے لئے اس کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ الحمدللہ، اس پروگرام کے بہتر نتائج سامنے آتے رہتے ہیں جو ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے لئے توشۂ آخرت بنیں گے، ان شاء اللہ العزیز۔

س: سب سے پہلے میں آپ کی زندگی کے نشیب وفراز پر مبنی حالات جاننا چاہوں گا۔

ج: میری پیدائش یکم نومبر 1962ء کی ہے۔ میں کیماڑی (کراچی) کے علاقے میں پیدا ہوا تھا اور الحمدللہ جس وقت میری ولادت ہوئی وہ شب جمعہ تھی۔ ابتدائی آٹھ سال میں اسی علاقے میں رہا۔ 1978ء میں ہم وہاں سے کورنگی کے علاقے میں منتقل ہوگئے۔ کیماڑی کا علاقہ جہاں میرا لڑکپن گزرا ہے دینی اعتبار سے وہاں کا ماحول بہت گیا گزرا تھا۔ ٹیلی ویژن نیا نیا آیا تھا۔ لوگوں میں ٹیلی ویژن دیکھنے کا بڑا شوق تھا۔ اسی طرح ریڈیو پر گانے اور فلموں کے پروگرام میں ان کی زیادہ دلچسپی تھی۔ اللہ نے بڑا کرم کیا کہ ہمیں اس علاقے سے نکالا۔ کورنگی کے علاقے میں بجلی نہیں تھی۔ تین سال تک ہم نے بغیر بجلی کے گزارا کیا۔ لہٰذا ٹیلی ویژن کی خرافات سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں بچائے رکھا۔ اللہ تعالیٰ کا مزید احسان یہ ہوا کہ علاقے میں ایک مسجد طیبہ کی تعمیر شروع ہوئی۔ اس مسجد سے اللہ تعالیٰ نے وابستہ کردیا اور یہ وابستگی آج تک قائم ہے جس کی بناء پر دین کی طرف رجحان پیدا ہوا۔ 1977ء میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور احسان کیا۔ مشہور مثل ہے کہ کنواں پیاسے کے پاس نہیں آتا بلکہ پیاسے کو کنویں کے پاس جانا پڑتا ہے۔ میرا معاملہ اس کے برعکس ہوا۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے اولین شاگردوں میں سے محترم مختار احمد فاروقی صاحب ہیں۔ پیشے کے اعتبار سے سول انجینئر ہیں۔ وہ ساٹھ کے عشرے میں انجینئرنگ کے طالب علم تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے دروس وہ انجینئرنگ یونیورسٹی میں کروایا کرتے تھے۔ اب وہ تنظیم میں شامل ہیں اور ایک دانشور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تنظیم میں کافی فعال ہیں اور آج کل حلقہ پنجاب وسطی کی امارت پر فائز ہیں۔ جھنگ میں انہوں نے قرآن اکیڈمی قائم کی اور وہاں کی انجمن خدام القرآن کے صدر بھی ہیں۔ وہ 1977ء میں کاروباری سلسلے میں کراچی منتقل ہوئے اور انہوں نے کورنگی میں سکونت اختیار کی۔ انہوں نے مسجد طیبہ میں درس قرآن اور عربی گرامر کورس کا آغاز کیا۔ مجھے ان کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ عربی ان سے سیکھی اور دروس قرآن کی تربیت بھی انہیں سے حاصل کی۔ انہوں نے مجھ پر ذاتی توجہ دی۔ وہ اپنی نگرانی میں ہم سے درس قرآن کرواتے رہے۔ یوں قرآن مجید سے وابستگی ہوگئی۔ اس کے بعد جب محترم ڈاکٹر صاحب نے کراچی میں پہلی مرتبہ ناظم آباد نمبر 5 کی جامع مسجد میں دورۂ ترجمہ قرآن کی سعادت حاصل کی، میں اس میں شرکت کے لئے محترم فاروقی صاحب کے ساتھ جاتا رہا۔ دورۂ ترجمہ قرآن کی اس مبارک محفل میں شرکت نے

میری زندگی کا رخ تبدیل کر کے رکھ دیا۔ اس کے بعد میں نے این ای ڈی انجینئرنگ یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا اور جیسا کہ عام طلبہ کا پروگرام ہوتا ہے، میرا بھی ارادہ تھا کہ انجینئرنگ کی تعلیم مکمل کرتے ہی امریکہ چلا جاؤں گا اور وہاں سے ایم ایس سی کروں گا۔ لیکن 1988ء دورۂ ترجمہ قرآن سن کر میں نے سوچا کہ انجینئرنگ کرنے والے بھی بہت ہیں اور ایم ایس سی کرنے والے بھی بہت ہیں۔ محترم ڈاکٹر صاحب کی طرح قرآن بیان کرنے والے نہیں ہیں۔ ہمیں یہ اعلیٰ ترین کام کرنا چاہئے۔ اس کے بعد طے کرلیا کہ مزید کوئی پروفیشنل ڈگری حاصل نہیں کرنی بلکہ اگر پڑھنا ہے تو دین کے حوالے سے پڑھنا ہے۔ لہٰذا بی ای کرنے کے بعد میں نے کراچی یونیورسٹی سے اسلامک اسٹڈیز کا کورس کیا اور اس وقت میں ایم اے عربی کے پارٹ ٹو میں ہوں۔ جب کراچی میں 1991ء میں قرآن اکیڈمی قائم ہوئی تو وہاں قرآن فہمی پر مبنی یک سالہ کورس شروع ہوا۔ میں نے اس میں داخلہ لے لیا۔ میں اس کوشش میں تھا کہ محترم ڈاکٹر صاحب کی طرح درس قرآن دوں۔ اللہ تعالیٰ نے 1990ء میں میری یہ خواہش پوری کی اور میں نے پہلی مرتبہ مسجد طیبہ میں دورۂ ترجمہ قرآن کرنے کی سعادت حاصل کی۔ 1991ء میں محترم ڈاکٹر صاحب کراچی تشریف لائے اور دورۂ ترجمہ قرآن، قرآن اکیڈمی میں کیا۔ اس کے بعد مسلسل پانچ برس تک قرآن اکیڈمی میں دورۂ ترجمہ قرآن کرنے کی سعادت حاصل کی۔ 1998ء میں محترم ڈاکٹر صاحب جب کراچی تشریف لائے اور قرآن اکیڈمی میں دورۂ ترجمہ قرآن کیا تو اس پروگرام کی ڈیجیٹل ریکارڈنگ ہوئی۔ کیو ٹی وی اور دیگر چینلز پر یہ دورۂ ترجمہ نشر ہوتا رہتا ہے۔ میں نے اس میں بھی شرکت کی۔ 1989ء میں ہم نے طے کیا کہ دورۂ ترجمہ قرآن کے اس سلسلے کو کراچی کے دیگر مقامات تک پھیلایا جائے۔ بھائی اعجاز لطیف صاحب بھی اس دوران دورۂ ترجمہ قرآن کے لئے تیار ہو چکے تھے۔ انہوں نے 1989ء میں قرآن اکیڈمی میں یہ پروگرام کیا، جبکہ میں نے گلشن اقبال کے علاقے میں میٹ اینڈ ٹریٹ شادی ہال میں کیا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ 1992ء میں یک سالہ کورس کا سلسلہ کراچی میں شروع ہوا۔ میں 1994ء میں اس کورس کے ذمہ دار کے طور پر ہمہ وقت وابستہ ہوگیا۔ میں نے انجینئرنگ کرنے کے بعد ایک سرکاری ادارے NR Tech میں ملازمت شروع کردی تھی۔ 1994ء میں محترم ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک باصلاحیت فرد یک سالہ کورس کی تدریس کے لئے اپنے آپ کو فارغ کرے۔ گو میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا تھا کیونکہ میں اپنے اندر مطلوبہ صلاحیت نہیں پاتا تھا، تاہم میں نے محترم ڈاکٹر صاحب کی اس دعوت پر لبیک کہی، اور اپنی ملازمت چھوڑ کر ہمہ وقتی طور پر انجمن خدام القرآن سندھ سے وابستہ ہوگیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہم نے یک سالہ کورس کے سلسلہ کو وسعت دی۔ اس کے پندرہ کورس ہو چکے ہیں اور اس کورس کے ثمرات سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں نوازا۔ اس کے نتیجے میں بہت سارے نوجوان اپنا دنیوی کیریئر تج کر قرآن کی خدمت سے وابستہ ہوگئے۔ اللہ کا شکر ہے کہ وہ آج ہمارے ساتھی ہیں۔ انہی ساتھیوں کی وجہ سے اس سال رمضان المبارک میں 18 مقامات پر یہ پروگرام ہوئے ہیں۔ ان

اللہ کا شکر ہے کہ ہم نے یک سالہ کورس کے سلسلہ کو وسعت دی۔ اب یہ کورس کراچی میں
تین مقامات پر ہو رہے ہیں یعنی قرآن اکیڈمی ڈیفنس، قرآن اکیڈمی یاسین آباد اور
قرآن اکیڈمی گلستان جوہر میں

ساتھیوں میں شجاع الدین شیخ صاحب ہیں، جنہیں اللہ نے بہت نوازا ہے۔ اُن کے علاوہ ڈاکٹر محمد الیاس، انجینئر نعمان اختر، عامر خان، انجینئر عثمان علی، راشد حسین شاہ، مفتی طاہر عبداللہ صدیقی، محمد عثمان، ڈاکٹر سید سعد اللہ اور دیگر صاحبان بھی شامل ہیں۔ یہ تمام حضرات اسی یک سالہ کورس کے ثمر ہیں اور الحمد للہ یہ کام پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ مجموعی طور پر مجھے الحمد للہ 19 مرتبہ دورۂ ترجمہ قرآن کرانے کی سعادت حاصل ہو چکی ہے۔ 2008ء تک میں انجمن خدام القرآن کے پے رول پر تھا۔ وہاں سے مجھے اتنا مشاہرہ مل جاتا تھا کہ میری گزر اوقات ہو جاتی تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک اور سلسلہ پیدا کر دیا۔ والد صاحب مرحوم کا جب 1997ء میں انتقال ہوا تو ان کی وراثت تقسیم ہوئی اور میرے حصہ میں جو رقم آئی وہ میں نے ایک جگہ 2009ء میں انوسٹ کردی۔ ایک ساتھی کے ساتھ مضاربت کر لی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ وہاں سے اتنی رقم مل جاتی ہے کہ میری گزر اوقات ہوجاتی ہے۔ اب میرا کوئی اور ذریعہ معاش نہیں اور میں نے ہمہ وقت دین کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا ہے۔ میں اس وقت تنظیم اسلامی کے ایک حلقہ کی ٹوٹی پھوٹی جیسی بھی ہے امارت کی ذمہ داری ادا کر رہا ہوں۔ یک سالہ کورس اب کراچی میں تین مقامات پر ہوتے ہیں یعنی قرآن اکیڈمی ڈیفنس، قرآن اکیڈمی یاسین آباد اور قرآن اکیڈمی گلستان جوہر میں۔ تینوں جگہ میں ہر ہفتے جا کر لیکچر دیتا ہوں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے کچھ تحریری صلاحیت بھی دی ہے۔ منتخب نصاب کے مختلف مقامات کے دروس کا ایک عمدہ سلسلہ ہے جو محترم ڈاکٹر صاحب نے ترتیب دیا تھا۔ میں نے منتخب نصاب کے چھ حصوں پر نکات مرتب کیے ہیں۔ منتخب نصاب نمبر2 قرآن مجید کے ان مقامات کے دروس پر مبنی ہیں جو ان لوگوں کو رہنمائی دیتے ہیں جو کسی جماعت یا تحریک سے وابستہ ہوں۔ اس کے چار دروس کے نکات میں مرتب کر چکا ہوں جو ماہنامہ میثاق میں بھی شائع ہو چکے ہیں اور دیگر کام بھی کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ زندگی اس کام میں لگی ہوئی ہے۔ بس اللہ سے دعا ہے کہ جو کوتاہیاں ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمائے اور اپنے فضل سے ان کی تلافی فرمائے اور جو بھی کوئی ٹوٹی پھوٹی خدمت ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔ ہم نے دعوت رجوع الی القرآن کی تحریک برپا کی ہے۔ اس سے قبل ناظرہ اور حفظ قرآن کے سلسلے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ بہت عمدہ چل ہی رہے تھے۔ قرآن فہمی کی تحریک محترم ڈاکٹر صاحب نے شروع کی۔ ہم اس تحریک کے دست و بازو ہیں۔ دورۂ ترجمہ قرآن کا سلسلہ کراچی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ خوب پھیلا ہے۔ رمضان المبارک میں الحمد للہ دورۂ ترجمہ قرآن کا غلغلہ ہوتا ہے۔ ہزاروں افراد اس پروگرام میں شریک ہوتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ کام چل رہا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ اس سلسلہ کو قبول فرمائے اور جو کمی کوتاہیاں رہ گئی ہوں، اسے دور فرما دے اور اپنے دین اور اپنی کتاب کی خدمت کی آخری سانس تک توفیق عطا فرمائے رکھے۔

س: آپ نے تنظیم کے حوالے سے سارا کچھ بیان فرما دیا۔ شنید ہے کہ آپ کی وابستگی ماضی میں پیپلز پارٹی سے رہی ہے۔

ج: آپ نے بالکل صحیح فرمایا۔ ہمارے گھر میں پیپلز پارٹی کے لئے بڑا نرم گوشہ تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو مرحوم جس طرح سیاست کو جاگیرداروں کے ڈرائنگ روم سے باہر

نکال کر عوام میں لائے تھے، یہ نرم گوشہ اسی بنا پر تھا۔ 1970ء میں جب میں نے شعور کی آنکھ کھولی، پاکستان میں ہونے والے انتخابات میں ذوالفقار علی بھٹو نے مغربی پاکستان کی حد تک اپنی خطابت اور اپنی پرجوش تقاریر کے ذریعے ایک ہلچل پیدا کر دی تھی۔ آپ کو بھی یاد ہوگا کہ مغربی پاکستان کی حد تک پیپلز پارٹی کو اکثریت ملی تھی۔ پیپلز پارٹی سے میرے گھر والوں کا لگاؤ مجھ تک بھی منتقل ہوا۔ یہ لگاؤ 1977ء تک برقرار رہا۔ جب دوبارہ الیکشن ہوئے پی این اے اور پیپلز پارٹی میں مقابلہ تھا۔ ہم اس وقت پیپلز پارٹی کے حامی تھے۔ جب میں نے 1978ء میں میٹرک کیا اور ڈی جے کالج میں داخلہ لیا تو میں پی ایس ایف کے ساتھ رہا۔ جب 1989ء میں میں نے این ای ڈی میں داخلہ لیا تو وہاں بھی میری وابستگی پی ایس ایف کے ساتھ تھی۔ البتہ محترم فاروقی صاحب نے ہمارا قرآن اور اس کی درس و تدریس سے لگاؤ پیدا کر دیا تھا، لہٰذا کچھ دینی رجحان بھی تھا۔ چہرے پر داڑھی بھی آگئی تھی۔ لیکن پیپلز پارٹی سے قلبی لگاؤ جاری رہا۔ اس کے برعکس محترم مولانا مودودی مرحوم سے سوئے ظن تھا کہ یہ مولانا امریکہ کے ایجنٹ ہیں۔ دین کے ساتھ مخلص نہیں۔ البتہ ہوا یہ کہ این ای ڈی میں سیکنڈ سمسٹر میں ایک مضمون اسلامک اسٹڈیز تھا۔ اس میں ایمانیات کے حوالے سے ہمیں کچھ عقلی دلائل دینے تھے۔ مجھے کسی نے کہا کہ اس کے لئے بہترین کتاب محترم مولانا مودودی مرحوم کی ''دینیات'' نامی ہے۔ اسے پڑھ لو۔ تو میں نے مجبوراً امتحان کی تیاری کے لئے وہ کتاب پڑھی۔ اس کے مطالعے سے میرے سامنے حقیقت کھل گئی کہ مولانا مودودی مرحوم اور جماعت اسلامی کے ساتھ کتنا بڑا سوئے ظن تھا۔ اس کے بعد میں نے توبہ کی۔ مولانا مودودی مرحوم کی مزید تحریریں بھی پڑھیں۔ پیپلز پارٹی کے ساتھ تعلق ختم ہوا۔ جماعت اسلامی کے ساتھ وابستگی شروع ہوئی اور 1985ء میں جماعت اسلامی میں شامل ہو گیا اور اس زمانے میں جو غیر جماعتی انتخابات ہوئے، میں کورنگی میں جماعت اسلامی کی طرف سے پولنگ ایجنٹ بنا۔ وہاں سے محترم اسلم مجاہد مرحوم کامیاب بھی ہوئے۔ اب جماعت کے اجتماعات میں شرکت شروع ہوئی۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد محسوس ہوا کہ جماعت اسلامی کا زیادہ تر رجحان عوامی اور سیاسی مسائل کی طرف تھا۔ دین کے حوالے سے ان میں رغبت کم محسوس ہوئی۔ تربیت کا فقدان بھی محسوس ہوا۔ لہٰذا بڑی مایوسی ہوئی۔ بعد ازاں تبلیغی جماعت میں وقت لگانا شروع کیا۔ لیکن محترم فاروقی صاحب نے جو درس قرآن کے سلسلے سے وابستہ کیا تھا اس سے مجھے محسوس ہوا کہ دین کا جو وسیع تصور ہے اس پر یہاں عمل نہیں ہو رہا ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب کے دروس قرآن کا سلسلہ کراچی میں شروع ہوا جب ان کے پی ٹی وی پر ''الہدیٰ'' پروگرام پر پابندی لگی۔ ان کے دروس میں شرکت شروع کی۔ وہاں سے تنظیم کا لٹریچر حاصل کر کے 1985ء میں رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف کے دوران پورا پڑھ لیا اور یہ اطمینان ہو گیا کہ جس تحریک کی مجھے تلاش تھی وہ تنظیم اسلامی ہی ہے۔ 27 نومبر 1985ء کو میں تنظیم میں شامل ہو گیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ مسلسل اس کے ساتھ وابستگی ہے۔ الحمدللہ 24 سال ہونے والے ہیں اور روز بروز اس تنظیم کا فکر اور اس پر اعتماد و اطمینان میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سے اپنے دین کی خدمت کا کام لے لے اور دین کے حوالے سے جو حقیقی باتیں ابھرتی ہیں ان سے ہمیں محفوظ فرمائے۔

1988ء دورۂ ترجمہ قرآن سن کر میں نے سوچا کہ انجینئرنگ کرنے والے بھی بہت ہیں۔ محترم ڈاکٹر صاحب کی طرح قرآن بیان کرنے والے نہیں ہیں۔ ہمیں قرآن سیکھ کر یہ اعلیٰ ترین کام کرنا چاہئے

س: کیا آپ اپنے گھر میں دینی رجحان کے حوالے سے قارئین کو کچھ بتانا چاہیں گے؟

ج: ہمارے ہاں دین کا حرکی تصور تو ظاہر ہے موجود نہیں تھا، البتہ دین کا جو مذہبی تصور ہے وہ پایا جاتا تھا۔ میری والدہ مرحومہ شروع ہی سے نماز کی پابند تھیں۔ قرآن مجید کی تلاوت ان کا روزانہ کا معمول تھا۔ ہمارے ہاں جو نذر و نیاز کے عام تصورات ہیں ان کا سلسلہ ہر جمعرات کو اور تہواروں کے مواقع پر چلتا تھا۔ لیکن جب محترم فاروقی صاحب نے ہمیں قرآن مجید کی تعلیم دی تو محسوس ہوا کہ اس کا پیغام تو کچھ اور ہے اور ہم جو کام کر رہے ہیں ان کا قرآن پاک میں کہیں ذکر نہیں۔ وہاں سے دینی سوچ میں تبدیلی ہونی شروع ہوئی۔ ہم نے اپنے گھر میں بھی یہ باتیں پہنچانی شروع کیں۔ ابتدا میں شدید مخالفت ہوئی اور گھر والوں نے کہا کہ ایک نیا اسلام پیش کیا جا رہا ہے۔ میں جواب میں کہتا کہ قرآن مجید تو یہی اسلام پیش کرتا ہے۔ جب میں تنظیم میں شامل ہوا تو گھر والوں نے شدید مخالفت کی۔ ان کا کہنا تھا کہ میں نے ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ پر کیوں بیعت کی۔ والد مرحوم اس قدر ناراض ہوئے کہ مجھے دس دن تک گھر سے باہر رہنا پڑا۔ والدہ مرحومہ کے دل میں میرے لئے کچھ نرم گوشہ تھا۔ جب تک والد مرحوم گھر پر ہوتے تھے میں گھر میں داخل نہیں ہو سکتا تھا البتہ جب وہ اپنی ڈیوٹی پر چلے جاتے تو میں گھر والوں سے ملتا تھا۔ شام کو ان کی واپسی سے قبل میں گھر سے نکل جایا کرتا تھا۔ اس سختی کا تو بہرحال سامنا کرنا پڑا۔ البتہ اللہ کا کرم یہ ہوا کہ میں نے والدہ مرحومہ سے گزارش کی کہ آپ خود بھی قرآن پڑھیں اور انہیں تفسیر عثمانی مطالعہ کے لئے لا کر دی۔ انہوں نے اپنی آبائی عصبیتوں کو ایک طرف رکھتے ہوئے کھلے دل سے قرآن کریم کا مطالعہ کیا اور اللہ کا شکر ہے کہ ان میں تبدیلی آگئی۔ انہوں نے تسلیم کیا کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں اس کا کوئی ثبوت قرآن مجید میں نہیں۔ قرآن مجید تو کچھ اور کہہ رہا ہے اور ہم کچھ اور کر رہے ہیں۔ بعد ازاں، والد مرحوم کے دل میں نرم گوشہ پیدا ہوا اور بہن بھائیوں کے خیالات میں بھی تبدیلی آنی شروع ہوئی۔ میں ان کے بچوں کو تنظیم کے پروگراموں میں لاتا رہا۔ الحمدللہ، بھائی کے دو بیٹے تنظیم میں شامل ہو چکے ہیں اور میری بھابیوں نے بھی دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگراموں میں شرکت شروع کی۔ اللہ کا شکر ہے کہ گھر میں دینی ماحول بن چکا ہے۔ گھر میں ٹیلی ویژن نہیں ہے، شرعی پردہ ہے اور گھر والے یہ محسوس کر رہے ہیں کہ ہم جس راستے پر چل پڑے ہیں یہی حق کا راستہ ہے۔ الحمدللہ دینی فکر میں مزید پختگی آرہی ہے۔ میں یہ نہیں کہہ رہا ہے کہ میری وجہ سے گھر میں یہ تبدیلی آئی۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد ہے ''(اے نبیﷺ!) آپ کسی کو ہدایت کی راہ پر نہیں ڈال سکتے اللہ جسے چاہے ہدایت کی راہ پر گامزن کر دیتا ہے۔'' (قرآن کریم کی متعلقہ آیت پڑھتے ہوئے ان کی آواز گلوگیر ہو گئی۔) ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اسی نے ہدایت دی ہے اور اسی کی وجہ سے تبدیلی آئی ہے۔ (جاری ہے)

حالتِ جنگ نہیں، حالتِ عذاب

اوریا مقبول جان

وہ جو کتنے سالوں سے التجا کر رہے تھے، ہر فرد اور گروہ کے سامنے منتیں اور زاریاں کر رہے تھے کہ اپنے گھروں میں امن وسکون کی نیند سونے والو، راتوں کو اس ملک میں برپا قتل و غارت اور تشدد و بربریت پر تبصرے سن کر اور دن بھر مجلسوں میں ان پر گفتگو کر کے خاموش ہو جانے والے سولہ کروڑ انسانو اس سے پہلے کہ تم کسی ایسے فتنے کا شکار ہو جاؤ کہ تمہیں راہ نجات نہ مل سکے، فوراً اپنے اللہ کے حضور گڑگڑا کر معافی مانگو، استغفار کرو، تمہاری حالت بحیثیت قوم ایسی ہے کہ تم سب نے مل کر اللہ تعالیٰ کی ذات کو اپنے دلوں سے نکال دیا ہے۔ اپنے اس جرم پر اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو کر معافی کے طلب گار ہو جاؤ، اجتماعی استغفار کرو۔ یہ التجائیں اور یہ منتیں زاریاں کتنے سالوں سے کی جا رہی تھیں۔ اسلام آباد، کشمیر اور بالاکوٹ کے زلزلے سے بہت پہلے۔ پھر زلزلہ آ گیا۔ جاننے والوں نے زلزلوں کے بارے میں سید الانبیاء ﷺ کی احادیث پڑھ پڑھ کر سنائیں۔ لوگوں نے اخباروں اور میڈیا پر اس کا تمسخر اڑایا۔ کہا لوگ مر رہے ہیں، اذیت کا شکار ہیں اور آپ انہیں یہ بتاتے پھر رہے کہ اس طرح کے زلزلے ہمارے اجتماعی گناہوں پر عذاب سے پہلے ایک وارننگ ہوتے ہیں، تاکہ ہم سنبھل جائیں۔ ان باخبر لوگوں نے یہ جواب سنے اور خاموش ہو گئے۔ لوگوں کو منشائے الٰہی پر چھوڑ دیا۔ ادھر ہم لوگ بھی کس مٹی کے بنے ہوئے تھے۔ دعوے پر دعوے کرتے رہے۔ ہم اس آفت پر قابو پا لیں گے۔ ہم نئے شہر آباد کر لیں گے۔ دنیا کے تمام امیر اور ترقی یافتہ ملک ہماری مدد کو تیار ہیں۔ ہمیں ان کا بہت سہارا ہے۔ یہ سب تو ایک سائنسی افتاد ہے۔ ہم رہتے ہی زمین کے ایسے حصے پر ہیں جہاں زلزلوں کا آنا کوئی حیران کن بات نہیں۔ اگر ہماری عمارتیں ایسی بنی ہوتیں جیسی دنیا کے ان ممالک میں بنتی ہیں جہاں زلزلے آتے ہیں تو کوئی اتنا بڑا جانی نقصان نہ ہوتا۔ یہ استغفار وغیرہ (نعوذ باللہ) سب توہمات ہیں۔ رجعت پسند اور بے کار لوگوں کی اختراعیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پھر ان کی دلیل کو رد کرنے کے لیے ایسے ہی ترقی یافتہ ملکوں میں سونامی کا عذاب اتار دیا۔ تمام عمارتیں ویسی کی ویسی کھڑی رہ گئیں، ایک دراڑ تک نہ آئی، ایک چھت تک نہ گری۔ ہزاروں میل دور سمندر کی تہوں میں کہرام اٹھا اور کئی کئی فٹ لہریں بستیوں میں ایسے گھوم کر واپس لوٹ گئیں کہ جیسے کوئی عفریت موت لے کر آیا ہو۔ یہ سب ہم سے دور ہوا۔ ہمیں اس کی کوئی پروا نہ تھی حالانکہ یہ سب تو میرے رب کی نشانیاں تھیں۔ ہماری سائنسی دلیلوں اور متکبرانہ خیالات کا جواب تھا لیکن "دقیانوسی خیالات" کون سنتا ہے۔

لوگ سوال کرتے ہیں آخر ہم سے ایسے کیا گناہ سرزد ہو گئے ہیں۔ یہ سب عذاب ہم پر ہی مسلط کیوں ہوتا ہے۔ انہیں شاید علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک انسانوں کو دو حصوں میں تقسیم کرتا آیا ہے۔ ایک وہ جن کے فسق و فجور اور ظلم و بربریت کا عالم یہ ہو جاتا ہے کہ نہ ان کی آنکھیں حق دیکھ سکتی ہیں، نہ کان حق سن سکتے ہیں اور نہ زبان اس حق کی تصدیق کو تیار ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے اور دنیا کی عیش و عشرت کے دروازے ان پر وا ہو جاتے ہیں کہ جب ایک دن وہ اس کی سمت لوٹیں گے تو اس دن کے حساب اور عذاب سے نہیں بچ سکیں گے لیکن دوسری جانب اسے جن لوگوں سے توقع ہوتی ہے، جہاں ابھی اس سے تعلق رکھنے اور اس سے مانگنے والوں کی ایک کثیر تعداد موجود ہوتی ہے وہاں اللہ تعالیٰ ان کو خواب غفلت سے بار بار جھنجھوڑتا رہتا ہے، وارننگ دیتا رہتا ہے، اس امید پر کہ وہ اس کی جانب لوٹ آئیں گے، معافی کے خواستگار ہوں گے، استغفار کریں گے تاکہ وہ اپنی رحمت سے ان کے گھروں کو امن سے بھر دے۔

اللہ تعالیٰ کی اس صفت اور خاصیت سے باخبر لوگ کھول کھول کر بتاتے رہے کہ اس کی ناراضی سے پہلے اس کی جانب لوٹ جاؤ لیکن اپنی پالیسیوں میں مست ہمارے حکمران اور ہم کتنے مزے سے کہتے تھے، ہمارے ساتھ امریکہ ہے اور فوج ہے۔ ہمارا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے۔ لوگوں کو قائل کرتے تھے کہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت امریکہ کا ہم ساتھ نہ دیتے تو ہمارا تورا بورا بنا دیا جاتا۔ ہم نے اپنی سرزمین سے ساٹھ ہزار دفعہ امریکی جہازوں کو اڑنے دیا تاکہ معصوم مسلمان افغانوں کے جسموں کے پرخچے اڑا سکیں۔ کئی سو لوگوں کو پکڑ کر اس کے حوالے کیا اور اپنی جیبیں گرم کیں۔ دنیا جانتی ہے کہ ان میں کتنے بے گناہ تھے۔ ہم نے اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے، حکومت کی رٹ قائم کرنے کے نام پر کبھی بلوچستان کے خانماں برباد علاقوں میں ظلم و ستم روا رکھا۔ دعوے کئے کہ ہم تمہیں ایسی طرف سے ماریں گے کہ تمہیں خبر تک نہ ہو گی۔ جس کو چاہا اٹھا لیا اور غائب کر دیا۔ روتے چیختے پسماندگان ہماری نظروں میں ایجنٹ تھے۔ ہمارے غرور و تکبر کی سب سے بڑی علامتیں جامعہ حفصہ کی معصوم بچیوں کا بہیمانہ قتل اور اس قتل پر مسکرا کر کہنا کہ سب جھوٹ ہے، صرف چند سو ماری گئیں اور 12 مئی میں کراچی کی سڑکوں پر پرندوں کی طرح انسانوں کو بھوننا اور اسلام آباد میں کھڑے ہو کر ان کی موت پر مکے لہرانا۔ لیکن یہ سب کرنے والا چہرہ ہماری عزت و تکریم کا مستحق بھی ہوا اور ہماری تحفظ کی ضمانتوں کا امین بھی۔ لیکن اس تکبر کی کرسی پر ایک کی جگہ کئی لوگ جا بیٹھے۔ امریکہ سے وفاداریوں اور اسے زندگی میں نجات کا ذریعہ سمجھنے والے بہت سے ہو گئے۔

خدا کو تو ہم نے اس دیس اور اپنے دلوں سے نکال ہی دیا تھا، دنیا سے ہی سبق لے لیتے۔ ایک زمانے میں کیمونزم کے خلاف جنگ امریکہ کی جنگ تھی اور جو ملک اس کا ساتھ دیتے وہ اسے اپنی جنگ کہتے۔ امریکہ اس ملک میں گھستا، وہاں قتل و غارت کا بازار گرم کرتا، لاکھوں لوگ مارے جاتے، غائب ہوتے، عورتیں قحبہ خانوں کی نظر ہوتیں۔ اٹلی، مارشل آئی لینڈ، فلپائن، البانیہ، گوئٹے مالا، کوسٹاریکا، انڈونیشیا، ہیٹی، ویت نام، لاؤس، کمبوڈیا، تھائی لینڈ، ایکواڈور، کانگو، برازیل، پیرو، چلی، جمہوریہ ڈومینکن، گھانا، یوراگوئے، انگولا اور بولیویا سے لے کر کتنے ایسے ممالک ہیں جو امریکہ کی اس جنگ کو

اپنی جنگ سمجھ کر لڑتے رہے، خون دیتے رہے، کروڑوں انسانوں کی زندگیاں چلی گئیں۔ ایک دن ان سب نے باری باری ہاتھ اُٹھا دیئے۔ کہا ہم نہیں لڑتے تمہاری جنگ، دفعہ ہوجاؤ ہماری سرزمین سے۔ وہ دن اور آج کا دن وہ سب امن سے ہیں۔ ہمارے فیصلہ کرنے والوں کے مفاد اس قدر امریکہ سے جڑے ہوئے تھے کہ ہم دنیاداری کا یہ فیصلہ بھی نہ کر سکے۔ کون کرتا، جس کے بچے وہاں ہیں، دولت وہاں ہے، جائیداد وہاں ہے۔ یہ سب تو اس ملک پر حکومت کرنے آتے ہیں۔ ہم سب خاموش اور ان سب کو برداشت کرتے ہیں۔

لیکن اب شاید ہمیں ان خاموشیوں کی سزا ملنا شروع ہوگئی ہے۔ وہ جو اس وقت سے ڈراتے تھے، اب دست دعا بلند بھی کریں تو ان منافقین کے بدترین انجام کے لیے کرتے ہیں جو نام تو عبداللہ اور عبدالرحمٰن رکھتے ہیں اور ساتھ اس کے دشمنوں کا دیتے ہیں، مدد انہی سے مانگتے ہیں، سید الانبیاء ﷺ کی دو احادیث مسلم کی کتاب الفتن میں درج ہیں جو حضرت ثوبان اور سعد بن ابی وقاص ؓ سے مروی ہیں، جن کا مفہوم ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا: زمین میرے سامنے لپیٹ دی گئی اور میں نے اس کا پورب اور پچھم دیکھا اور سب جگہ میری حکومت قائم ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے میری دعا پر وعدہ فرمایا کہ میں تمہاری امت کو نہ قحط سے ہلاک کروں گا نہ پانی میں ڈبو کر نہ ان پر کوئی ایسا دشمن غالب آئے گا کہ وہ انہیں بالکل نیست و نابود کر دے۔ ہاں البتہ خود مسلمان ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور ایک دوسرے کو قید کریں گے اور عذاب کا مزا چکھیں گے۔ کیا ہم اس عذاب میں گرفتار نہیں ہو چکے؟ ہم ایک شہر میں امن قائم کرتے ہیں، جھنڈے لہراتے ہیں اور پورے ملک میں لاشیں گرنا شروع ہوجاتی ہیں۔ پھر دوسری سمت روانہ ہوجاتے ہیں لیکن نہ ہمارا توکل امریکہ سے اٹھتا ہے اور نہ ہمارے دعوے ختم ہوتے ہیں۔ ہم حالت جنگ میں نہیں، حالت عذاب میں ہیں۔ ہمارا خدا ہم سے ناراض ہے، روٹھ گیا ہے۔ اگر اس کے روٹھ جانے کی ہمیں ذرا بھی پرواہ ہے، ہم اللہ تعالیٰ کو ذرا بھی حاکم مطلق اور واحد سپر پاور سمجھتے ہیں تو اسے منالیں، گڑگڑا کر، رو کر، معافی کے طلبگار ہو کر۔ ورنہ خواہ دیواریں بلند کریں یا قلعے تعمیر، بستیاں اجاڑیں یا شہر، عذاب ایسے نہیں ٹلا کرتے۔ (بشکریہ روزنامہ ''ایکسپریس'')

اسلام کا بنیادی مفہوم اور مغربی طاقتوں کی چالاکی

عابد اللہ جان کی معرکہ آرا کتاب

Afghanistan: The Genesis of the Final Crusade

کا قسط وار اُردو ترجمہ

ترجمہ: محمد فہیم

افغانستان پر حملہ کے پیچھے اصل محرک کو جاننے کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کے بنیادی مفہوم کو سمجھا جائے جسے مغربی طاقتوں نے نہایت چالاکی کے ساتھ دہشت گردی کے ساتھ نتھی کر رکھا ہے اور عوام کے سامنے اسے ایک بہت بڑی ''برائی'' کے طور پر پیش کر دیا ہے۔

خلافت خلا میں وجود پذیر ہونے والی کوئی چیز نہیں بلکہ یہ ایک نظریاتی اور روحانی پس منظر رکھتی ہے۔ اس کے مقاصد میں یہ کبھی شامل نہیں کہ دُنیا پر حکمرانی برائے حکمرانی کی غرض سے ایک بڑے امپائر کی تعمیر کی جائے۔ اسلام زندگی کا جو مقصد متعین کرتا ہے اسے جاننا بہت ضروری ہے، تاکہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے لیے دینی ضروریات کا ادراک کیا جاسکے۔ اسلام کے معنی ہیں اللہ کی مرضی کے آگے جھک جانا۔ ایک دفعہ جو شخص دائرہ اسلام میں آ گیا، اس کے لیے اب ناگزیر ہوجاتا ہے کہ وہ اپنی زندگی قرآن اور سنت کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق بسر کرے۔

انسان جن اقدار، اصولوں اور قوانین کو قبول کر کے ان کے تحت زندگی گزارنے پر اپنے آپ کو پابند کر دیتا ہے اسلام کے نقطہ نگاہ سے وہی طرز زندگی اس کا دین بن جاتا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن تاکید کر کے فرماتا ہے: ''بے شک اللہ کے نزدیک ''دین'' اسلام ہی ہے'' (آل عمران:19)۔

ایک دوسری جگہ اللہ فرماتا ہے: ''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر لیا اور تم پر اپنی نعمتوں کی تکمیل کی اور تمہارے لئے اسلام بطور دین پسند کر لیا۔'' (المائدہ:3)

اجتماعی طور پر اللہ کی مرضی کے سامنے سر تسلیم خم ہونے کا اصل مقصد روئے ارضی پر حقیقی انصاف کو یقینی بنانے کے لیے ایک معاشرے اور نظام کا قیام ہے۔ واشنگٹن اور اس جیسی دیگر راجدھانیوں میں سیاسی مقتدرہ کسی ایسے نظریے کو اپنے اقتدار کے لیے خطرہ سمجھتے ہیں۔

انسانی تاریخ گواہ ہے کہ دُنیاوی مقاصد کے حصول کی خاطر انسانوں نے ہمیشہ مختلف قوتوں اور نظریات کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہے۔ زمانہ حال کی حالت یہ ہے کہ انسانیت کی اکثریت ریاستی اتھارٹی کے سامنے سرنگوں ہوچکی ہے اور اس نے چرچ اور ریاست کو دو علیحدہ علیحدہ حقیقتیں تسلیم کر لیا ہے۔ اسلام کا تصور یہ ہے کہ مذہب اور ریاست دونوں ایک بڑی حقیقت ''دین'' کے جز ہیں۔ اور یہ صرف اللہ ہی کا حق ہے کہ صرف اسی ذات باری تعالیٰ اور اس کے قانون کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایسا کوئی شعبہ نہ رہ جائے جو اللہ کی مرضی اور قانون سے باہر ہو۔ اللہ کی ذات کے علاوہ کسی دوسری (غیر اللہ) ہستی کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا بہت بڑی معصیت ہے، جسے اللہ 'شرک' کا نام دیتا ہے۔

بدقسمتی سے آج مسلم دُنیا میں تمام مباحثہ شرک اور توحید کے مذہبی مفہوم تک محدود کیا جا چکا ہے۔ ریاست کو ایک طرف رکھ دیا گیا ہے، گویا اس کے ساتھ اللہ کی مرضی، قانون اور اختیارات کا کوئی سروکار ہی نہیں اور یہ کہ ریاست کسی خلا میں کام کر رہی ہے اور اس کا انسانوں سے کوئی تعلق نہیں جن کی رہنمائی کے لیے قرآن نازل کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے مسلمان کسی ایسے آدمی کو جو کسی بت کے سامنے جھکتا ہو شرک کا مرتکب قرار دیں گے، تاہم ساتھ ہی مسلمانوں کی اکثریت، غیر اللہ کے دیئے ہوئے قانون، اختیارات، نظام اور طرز حیات کے سامنے پورے طور پر تسلیم ہونے کے باوجود اپنے آپ کو شرک کا مرتکب نہیں سمجھتی۔ یہ اس لئے کہ آج کے خود ساختہ ''ماڈریٹ'' مسلمانوں نے دین کے مفہوم کو گھٹا کر کچھ کا کچھ کر دیا ہے۔ مسلمانوں کی عام سوچ بدل چکی ہے۔ وہ ''دارالاسلام'' کی بجائے اب ایک یورپین سیکولر ریاست ہی کو ماڈل کے طور پر جانتے ہیں۔ اور سیکولر ماڈل کا خاصہ یہ ہے کہ وہ حکمرانی کا حق اللہ سے لے کر ریاست کو دیتی ہے جو درحقیقت ایک مشرکانہ عمل ہے اور یہی شرک ہے۔

اس حقیقت کے باوجود کہ مسلمان دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام ایک طرز حیات کا نام ہے، پھر بھی مسلم دُنیا میں مروج غیر اسلامی طرز زندگی کے خلاف کہیں بھی کوئی ردعمل

> مسلمانوں کے لیے ریاستی تنظیم کی تکمیلی شکل خلافت ہے جو جدید تصورِ ریاست کی مکمل نفی کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت کے محض ذکر ہی سے دورِ حاضر کی بڑی طاقتوں میں ایک فوری ردِعمل پیدا ہوجاتا ہے

نظر نہیں آتا ہے۔ اسی طرح کوئی ایک بھی مسلمان ملک ایسا نہیں جو اپنے ریاستی کاروبار کو قرآن وسنت کے اصولوں کے مطابق چلا رہا ہو۔ ریاستی اور عوامی زندگی کو مذہب سے آزاد رکھا گیا ہے لیکن جب بات خود مذہب پر آجاتی ہے تو بجا طور پر ایمانی حرارت کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر توہین رسالت کے الفاظ اور قرآنی اوراق کی بے حرمتی پر زبردست ردِعمل سامنے آچکے ہیں اور جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے کارٹون بنانے کی ناپاک جسارت پر تمام مسلمان تڑپ اُٹھے۔ مذہب اور ریاست کی علیحدگی کے تصور سے انکار کے باوجود، اس تصور نے مسلمانوں کے ذہن میں گھر کر رکھا ہے اور ان کو متاثر کیا ہے۔ انہوں نے عملی طور پر اسے قبول کیا ہے اور بغیر کسی خاص مسئلہ کے اس کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کا یہ ذہن بن چکا ہے کہ 'ریاست' انسانی حکمرانی کا آخری ادارہ ہے۔ اور اگر کہیں انہوں نے اسلام کے مطابق رہنے کے لیے اعلیٰ سطح پر کوشش کی بھی ہو، تو وہ بھی صرف اور صرف قومی حکومتوں (نیشن سٹیٹ سسٹم) ہی تک محدود دکھائی دیتی ہیں۔ نیشن سٹیٹ سسٹم میں دُنیا ایک ہی سٹائل کا نقشہ پیش کرتی ہے جہاں ہر سٹیٹ کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے قانونی اختیار کے بل بوتے پر قوانین وضع کرے جن پر اس کے شہریوں کے لیے عمل درآمد کرنا ہوتا ہے۔ حکومت اور مذہب کے درمیان تعلقات کا معاملہ ہر ریاست میں مختلف ہوتا ہے۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ حکومتیں مذہب کے خلاف معاندانہ رویہ رکھتی ہوں جیسا کہ سابقہ سوویت یونین کا معاملہ تھا۔ اکثر حکومتیں مذہب کا کسی نہ کسی حد تک لحاظ کرتی ہیں۔ کیونکہ انھیں احساس ہوتا ہے کہ مذہبی عقائد کے لیے عوام کے دلوں میں ایک جذبہ اور محبت موجود ہوتی ہے۔ اسی طرح کوشش کی جارہی ہے کہ ثقافتی تفریق کو ایک معیار پر لاکر کم سے کم کردیا جائے۔ یہ تبدیلیاں مختلف علاقوں میں مختلف شرح رفتار سے ظہور پذیر ہورہی ہیں، تاہم ہر جگہ ان کا ہدف اور رُخ ایک ہی ہے (ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی بات اور ہے۔ وہاں تو بش اینڈ کمپنی کسی خوف کے بغیر مذہبیت کو فروغ دینے میں لگے رہے ہیں۔) صرف یہ نہیں کہ عالمی سطح پر ریاست اور چرچ کی علیحدگی پختہ ہوچکی ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ مذہب (محدود تصور والا اور صحیح مفہوم کے ساتھ کم سمجھا ہوا) کو دُنیا میں کہیں بھی انسانی تنظیم سازی کے لیے بطور بنیاد اختیار نہیں کیا گیا ہے۔ انسانی تنظیم کے لیے واحد مقبول بنیاد ریاست اور قومیت کو مانا گیا ہے۔ قومی ریاست کے تصور کے فروغ کے ساتھ انسانی ذہن بھی قومیت کے فریم ورک کے اندر نشوونما پاتا رہا۔ کسی ملک کے نام کے ساتھ اسلام بطور لاحقہ یا سابقہ لگانے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ اس سے لوگوں کا اسلام اور جدید ریاست کے مفہوم سے لاعلمی کا پتہ چلتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ دورِ جدید کے مذہبی، سیاسی، عسکری اور دانشور طبقہ سے تعلق رکھنے والے صلیبی اس سے واقف نہ ہوں کہ مسلمانوں کے لیے اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنا ایک بنیادی ضرورت ہے۔ ان کے خیال میں اللہ کی مرضی کے سامنے صرف زبانی کلامی اقرار وتسلیم سے کام نہیں چلے گا۔ اس کے برعکس آج ہر شعبۂ زندگی میں مسلمان رہنماؤں کا شاکلہ کچھ ایسا بنا ہے کہ وہ سامراجی طاقتوں کے اصولوں کو اختیار کیے بغیر نہیں رہ سکتے جو حالات کو جوں کا توں رکھنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا مسلمان عوام کے لیے باہمی تفرقہ، بیرونی مداخلت اور سپر اندوزی جیسے مسائل گھر بیٹھے ہی شروع ہوجاتے ہیں۔ اسلام کو چند مراسم عبودیت تک محدود رکھنے کے رویہ کے برعکس، یہ دراصل نہ صرف عام حکمرانی کے لیے بلکہ مسلمانوں کے اندر مقامی سطح پر انسانی تنظیم سازی کے لیے بھی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے سماجی تنظیم اور اجتماعی پہچان کے واسطے دینِ اسلام سے کم یا زیادہ اور کوئی بنیاد ہی نہیں ہے۔ لہٰذا مذہب اور سیاست میں علیحدگی کا مطلب اسلام کے بنیادی اصولوں سے انحراف ہے اور یہی شرک ہے، جو اسلام میں سب سے بڑا گناہ ہے۔ مذہب اور ریاست کے ایک دوسرے سے علیحدگی کا مطلب ہوگا کہ اللہ کے دیئے ہوئے معیارات کو چھوڑ کر دوسرے معیارات کے مطابق زندگی گزاری جائے۔ (المائدہ 48،49)۔ سٹیٹ اور چرچ کی علیحدگی کا عمل توحید کی ضد ہوگا۔ قرآن مسلمانوں کے لیے نظام اور تنظیم کے لیے جو بنیاد فراہم کرتا ہے، وہ دین ہی ہے، جس کی بنیاد پر آگے جا کر ملت استوار ہوگی، وہ ملت جو صرف اور صرف اللہ کی وحدانیت پر ایمان رکھتی ہو اور یہ ملت توحید ہوگی اور اسی فکر کو اپنے روزمرہ کے کاموں میں بروئے کار لاتی رہے گی۔ دورِ جدید کی ریاست کے تصور کے مقابلے میں "دارالاسلام" ایک وسیع مفہوم والی حقیقت ہے جو ریاستی تصور میں نہیں سما سکتا۔ مسلمانوں کے لیے ریاستی تنظیم کی تکمیلی شکل خلافت ہے جو جدید تصورِ ریاست کی مکمل نفی کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت کے محض ذکر ہی سے دورِ حاضر کی بڑی طاقتوں میں ایک فوری ردِعمل پیدا ہوجاتا ہے۔ غور کریں، اس حقیقت کے باوجود کہ اسلامی امارت کے قیام کے لیے طالبان کی کاوشیں کتنی ناقص اور ناپختہ تھیں، دورِ جدید کے مذہبی کروسیڈرز، اس سے سخت خائف تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ایسا کرتے ہوئے مسلمانوں کو بہت سے سوالوں سے سابقہ پڑنے اور ان کے حل سامنے آنے کے موقع ملنے کے لیے راہ ہموار ہوگی۔ جیسا کہ باب اول اور دوم میں تصریح کی گئی ہے، انہی مذہبی کروسیڈروں کا اثر تھا جس نے سیاسی، ادبی اور عسکری حلقوں کے کارکنوں کو 21ویں صدی کے کروسیڈ کے لیے متحد کردیا۔ طالبان کی سرگرمیوں کے نتیجے میں استفسارات اور انکشافات سے جو غیر مختتم ردِعمل کا سلسلہ شروع ہوا تھا، اس سے یہ امکان پیدا ہوا تھا کہ اس سے اس انسانی تنظیم کو سمجھنے میں مدد ملے گی جس معیار ومفہوم کی تنظیم اسلام برپا کرنا چاہتا ہے۔ طالبان حکومت کے تسلسل سے اسلامی فکر کی (بالادستی نہیں) تطہیر اور نکھار ہوجاتی۔ مسلم دُنیا میں ہر قسم کے غیر اسلامی تکدر سے پاک اسلامی معاشرہ کے قیام کے لیے فکر کی تطہیر پہلا ضروری قدم ہے۔

پیٹرک بکانن کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ مسلمانوں میں باہمی گفتگو اور بحث ومباحثہ اسلامی فکر کی آبیاری کا سبب بن رہا ہے، لہٰذا اس نے مسلم دُنیا کے خلاف طبل جنگ بجانے میں دیر نہیں کی۔ وہ اپنی کتاب "Where the Right Went Wrong" (کہاں غلط موڑ مُڑا گیا) میں مذہبی جنگ کے لیے درج ذیل الفاظ میں حمایت کرتا ہے۔

> "اگر تہذیبوں کی جنگ شروع ہوتی ہے تو دولت اور اسلحہ میں مغرب کا کوئی مقابل ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن بات یہ ہے کہ دولت یورپ کے بہت سے ایمپائرز کو دھڑن تختہ ہونے سے نہ بچاسکی اور نہ ہی مہلک ہتھیار سوویت یونین کو تحلیل ہونے سے بچاسکے۔ روم طاقتور تھا جبکہ عیسائیت کمزور تھی۔ عیسائیت سب کچھ برداشت کرگئی اور ہر جگہ پھیل گئی، روم گر گیا۔ امریکہ کا دشمن کسی ریاستی شکل میں نہیں جس پر پابندیاں لگا کر ہم نیست ونابود کرسکیں۔ وہ (کسی انسانی شکل میں) دشمن بھی نہیں جسے ہم ہتھیاروں کے بل بوتے پر زیر کرسکیں۔ وہ تو ایک واضح دلیل، ایک تحریک اور ایک نظریہ ہے۔" (جاری ہے)

☆☆☆

رمضان المبارک میں تنظیم اسلامی گوجر خان شرقی کی سرگرمیاں

رمضان المبارک سے قبل تنظیم اسلامی گوجرخان شرقی نے عاملہ کی میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا کہ رمضان المبارک میں مختلف جگہوں پر ''فرائض دینی کا جامع تصور'' کے موضوع پر پروگرام رکھے جائیں، جن میں شرکاء کے لیے افطاری کا بندوبست بھی کیا جائے۔ اس سلسلے میں پہلا پروگرام 13 رمضان المبارک کو امیر شرقی فاروق حسین کے گھر ترتیب دیا گیا۔ فاروق حسین نے بعد نماز عصر تلاوت قرآن پاک سے پروگرام کا آغاز کیا۔ بعدازاں انہوں نے دینی فرائض کا جامع تصور دلنشین پیرائے میں بیان کیا۔ رفقاء و احباب نے اُن کی گفتگو کو بڑی دلچسپی کے ساتھ سنا اور پسند کیا۔ دوسرا پروگرام 20 رمضان المبارک کو اسرہ اصحاب صفہ کے تحت انارکلی بازار میں ہوا۔ بعد نماز عصر امیر شرقی نے دینی فرائض کا جامع تصور پیش کیا۔ اس سلسلے کا تیسرا اور آخری پروگرام 27 رمضان المبارک کو راقم الحروف کے گھر پر ہوا۔ جس کے لیے پہلے سے احباب کو مدعو کیا گیا تھا۔ امیر شرقی نے یہاں بھی دینی فرائض کا جامع تصور پیش کیا۔ تینوں پروگراموں کے آخر میں افطاری کا بندوبست کیا گیا تھا۔ ان پروگراموں میں اوسطاً 70 رفقاء و احباب شریک ہوتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری یہ کاوش قبول و منظور فرمائے، آمین ثم آمین۔

(رپورٹ: نعیم اکرم)

تنظیم اسلامی جہلم کے زیر اہتمام فہم دین پروگرام

تنظیم اسلامی جہلم کے زیر اہتمام جمعہ 31 ستمبر 2009ء کو بعد از نماز مغرب تا عشاء فہم دین پروگرام ایک رفیق تنظیم کے گھر منعقد کیا گیا۔ سب سے پہلے مقامی ناظم دعوت نے تمام شرکاء کا شکریہ ادا کیا کہ اس نفسانفسی کے دور میں اُنہوں نے اپنی مصروفیات کو بالائے طاق رکھ کر فہم دین کے لیے وقت نکالا۔ اس کے بعد پروگرام کے مقرر حافظ ندیم مجید کا مختصر تعارف کرایا گیا جو اس پروگرام کے لیے گوجر خان سے تشریف لائے تھے۔ پروگرام وقت مقررہ پر شروع ہوا۔ مقرر نے دین اور مذہب کا فرق واضح کیا اور دینی فرائض کے جامع تصور پر روشنی ڈالی۔ عشاء کی نماز کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوئی۔ بعدازاں چائے سے ساتھیوں کی تواضع کی گئی۔ آخر میں مقامی امیر نے اختتامی کلمات کہے۔ اس پروگرام میں 10 رفقاء اور 10 احباب نے شرکت کی۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس سعی کو قبول فرمائے۔ (آمین)

(رپورٹ: مشتاق حسین)

مقامی تنظیم جار باجوڑ کا ماہانہ تربیتی اجتماع

4 اکتوبر 2009ء کو صبح آٹھ بجے تلاوت قرآن حکیم سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ بعدازاں امیر مقامی تنظیم جناب غازی گل نے افتتاحی کلمات ادا کیے۔ انہوں نے حلقہ کی طرف سے موصول شدہ خط کے مندرجات سے رفقاء کو آگاہ کیا اور انہیں تنظیم کے تقاضوں کی یاددہانی کرائی۔ نقباء کی مشاورت سے آئندہ کے لیے پروگرام ترتیب دیے، اور مختلف اُسرہ جات کے لیے دوروں کا شیڈول بھی تیار کیا گیا۔

اس کے بعد اُسرہ جار میں نئے آنے والے رفیق جناب شاہد لطیف نے سورۃ الکہف کے آخری رکوع کا درس دیا۔ مقامی امیر کی ہدایت پر جناب شاہد لطیف نے رفقاء کے لیے ہفتہ میں دو دن مختص کیے، جن میں وہ رفقاء کو تجوید اور عربی قواعد سمجھائیں گے، جس پر رفقاء نے خوشی کا اظہار کیا۔ اُسرہ مسلم بانڈ کی طرف سے شرکاء کی چائے سے تواضع کی گئی۔ یہ تنظیمی و تربیتی اجتماع تقریباً بارہ بجے تک جاری رہا۔ مقامی امیر کے اختتامی کلمات اور دُعا پر اس اجتماع کا اختتام ہوا۔

(رپورٹ: رفیق تنظیم)

امیر حلقہ جنوبی پنجاب کا دورۂ خانیوال

امیر حلقہ جنوبی پنجاب محمد طاہر خاکوانی نے رمضان المبارک کے بعد حلقہ کے منفرد رفقاء سے ملاقاتوں کا پروگرام طے کیا۔ اسی سلسلے میں امیر حلقہ، معتمد حلقہ (راقم الحروف) اور قرآن اکیڈمی کے ساتھی شکیل اسلم 4 اکتوبر 2009ء بروز اتوار سہ پہر 4 بجے ملتان سے خانیوال روانہ ہوئے۔

خانیوال میں تنظیم کے دیرینہ ملتزم رفیق جناب محمود احمد بھٹی کو اس دورہ سے متعلق قبل ازیں مطلع کر دیا گیا تھا۔ اُنہی کے گھر پر رفقاء سے ملاقات کا پروگرام طے پایا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹہ کی مسافت کے بعد ہم موصوف کی رہائش گاہ پر پہنچے۔ نماز عصر کی ادائیگی کے بعد تمام رفقاء اکٹھے ہوئے، باہمی تعارف ہوا، اور امیر حلقہ نے اپنے دورہ کے مقاصد بیان کیے۔ جن رفقاء سے ملاقات ہوئی، ان میں محمود احمد بھٹی (ملتزم) محمد بلال خان خٹک، محمد انور اور محمد اویس رندھاوا شامل ہیں۔

امیر حلقہ نے باہمی مشورہ سے خانیوال کے رفقاء پر مشتمل ایک منفرد اُسرہ کے قیام کا فیصلہ کیا۔ محمود احمد بھٹی کو اسرہ کا نقیب بنایا گیا۔ موصوف عرصہ 19 سال سے تنظیم سے وابستہ ہیں اور فعال رفقاء میں سے ہیں۔ اسی طرح محمد بلال خان خٹک بھی فعال رفیق ہیں اور تنظیمی فکر کے فروغ اور دعوتی کام کے لیے فکر مند رہے ہیں۔ محمد انور کی رہائش گاہ پر ہفتہ وار درس قرآن (بذریعہ ویڈیو) کا حلقہ قرآنی بھی قائم ہے۔ ملاقات کے آخر میں نقیب اسرہ نے شرکاء کو کھانا کھلایا۔ عبدالحکیم کے رفیق محمد اویس رندھاوا کو امیر حلقہ نے ہدایت کی کہ آپ اپنے حلقۂ احباب کو ''انی الحال دورۂ ترجمۃ القرآن (بیان القرآن)'' ہی سنائیں۔ بعد میں وہاں بھی ایک پروگرام طے کر کے تنظیم کی دعوت لوگوں کے سامنے رکھیں گے۔ امیر حلقہ کا یہ دورہ بہت کامیاب رہا۔ اللہ تعالیٰ ہماری کاوشوں کو شرف قبولیت سے نوازے، آمین۔ رات آٹھ بجے واپس ملتان روانہ ہوئے۔

(رپورٹ: شوکت حسین انصاری)

ضرورت رشتہ

☆ رفیق تنظیم اسلامی کو اپنی بیٹی، عمر 20 سال، تعلیم بی اے، صوم وصلوٰۃ کی پابند عبادت گزار، خوش شکل و خوش اخلاق کے لیے نیک، پڑھے لکھے نوجوان کا رشتہ درکار ہے۔ والدین رابطہ کریں۔ برائے رابطہ: 0333-9011801

☆ اسلام آباد میں مقیم دینی رجحان رکھنے والی مختصر فیملی کو اپنے اعلیٰ ملازمت کے حامل ایم بی اے بیٹے کے لیے پڑھے لکھے گھرانے سے باپردہ، تعلیم یافتہ، خوبصورت، دراز قد لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: مسز عابدہ 0301-5333866

☆ 22 سالہ، پنجابی، باپردہ، باعمل، خوبصورت، دین دار اور دائمی کینیڈین بیٹی کے لیے دیندار، موحد اور تعلیم یافتہ بیٹے کا رشتہ درکار ہے۔ بدقسمتی سے والدین میں علیحدگی ہے لیکن بچوں کو ڈاکٹر والدین کی یکساں شفقت حاصل ہے۔ بیٹی کینیڈین یونیورسٹی سے اسلامی تعلیم حاصل کر رہی ہے۔ صرف والدین رجوع کریں۔ 0322-6553936

it must be mentioned here that an Islamic state is, by definition, a state based on the Quran and the *Sunnah* of the Prophet of Islam ﷺ. A secular state of whatever kind, on the other hand, is a state based on the wisdom of human beings who deny that Revelation can be the basis of a state. Dr. Saigol's version of secular state may be a legitimate model for an imaginary "multi-religious state", as she claims. But her reasoning falls apart when applied to Pakistan, simply because it is based on a fundamental failure to acknowledge the fact that 96% of people living within the geographical entity called Pakistan are Muslim according to the most recent census.

With regard to the second column, with its seeming advocacy of legalization of drinking and prostitution, it is sufficient to say that if basic argument of that advocacy ("prevalence of drinking and of the oldest profession") is accepted, then one should simultaneously advocate for legalization of theft, murder, robbery and all other crimes, for they are --- and have always been --- present in human society.

Even though these views may advance the ideological and moral commitments of a few Pakistanis, their articulation in public domain at a moment when every basic principle of authority seems undermined, accelerates the process of intellectual anarchy which cannot be de-linked from the political and social anarchy of our times. There is much reason to fear that loose philosophy, stimulated by a faulty understanding of religion has done not a little to weaken the principles on which the state of Pakistan was established and which continue to remain valid because the populace has not changed its religious beliefs.

(*Courtesy: The News*)

نامے میرے نام

عالم اسلام کے خلاف فری میسن کا گھناؤنا کردار

جناب حافظ عاکف سعید صاحب
مدیر ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور
السلام علیکم و رحمۃ اللہ

ندائے خلافت کے حالیہ شمارے (نمبر41) میں ترکی میں سلطنت عثمانیہ کے زوال کے ضمن میں صیہونی تنظیم فری میسن کی سرگرمیوں کے بارے میں ایک برطانوی اہل کار کا جو خط شائع ہوا ہے، وہ ہر ذی شعور مسلمان اور ملک وملت کے بہی خواہ کے لیے بڑا چشم کشا اور حیران کن ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ ہم مغربی اقوام سے توقعات وابستہ رکھتے ہیں اور ان کی SETO, CENTO, UNO اور کامن ویلتھ نامی تنظیموں سے منسلک رہ کر خوشگوار مستقبل کی اُمید پر جیتے ہیں۔ درحقیقت یہ سب ادارے مغربی اقوام بالعموم صیہونیت کے مہرے ہیں اور ہر سطح پر مسلمانوں کو زک پہنچانے اور نیچا دکھانے سے باز نہیں آتے اور دوستی کی آڑ میں اپنے طویل المیعاد منصوبوں پر پیش رفت کرتے رہتے ہیں۔

ایک صدی پہلے ترکی میں فری میسن تحریک کی سرگرمیاں اس قدر وسیع اور موثر تھیں تو آج جب فاصلے ختم ہوگئے اور اطلاعات کی ترسیل دنوں کی بجائے منٹوں سیکنڈوں میں ہو رہی ہے اور ٹیلی گراف کی بجائے معاملہ E-mail پر آ گیا ہے کہ ہزاروں صفحات اور تصاویر بیک جنبش ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتی ہیں تو دشمن ہمارے خلاف آج عالم اسلام اور بالخصوص پاکستان میں کیا گل کھلا رہے ہوں گے اور ہمارے مقامی میر جعفر اور میر صادق قسم کے لوگ کس کس طرح خریدے اور استعمال کیے جا رہے ہوں گے، اس کا کوئی نچلے سے نچلا درجہ بھی ممکن ہے اور قابل فہم ہے اور ہمارے حالات پر راست آتا ہے۔

صیہونی عزائم اور تنظیموں کا کمال یہ ہے، وہ کام بھی کرتے ہیں، کامیابی بھی حاصل کرتے ہیں اور ایسی ہوشیاری، گمنامی اور پردوں میں چھپ کر کہ کوئی ان پر انگلی بھی نہیں اٹھا سکتا۔

واپڈا ہاؤس کے سامنے چڑیا گھر کے ساتھ کونے والی بلڈنگ 1914ء سے فری میسن کا مرکز تھا۔ وہ تو کوئی پندرہ بیس سال قبل وزیر اعلیٰ پنجاب نے ان سے حاصل کر کے اپنا سیکرٹریٹ بنا دیا۔ شاید انہیں معلوم ہو کہ اس بلڈنگ کے حصول کے لیے کن لوگوں سے معاہدہ ہوا تھا جو فری میسن کی نمائندگی کر رہے تھے یا کچھ دیگر شخصیات ان سے واقف ہوں گی۔ سیالکوٹ، کوئٹہ، کراچی، پشاور اور آج اسلام آباد، کابل اور دہلی میں وہ کس طرح پس پردہ تاریں ہلا کر اور اپنے مہرے اہم عہدوں پر پہنچا کر اپنے مقاصد حاصل کر رہے ہیں، وہ بھی قابل فہم ہے۔ کاش ایسا ہوتا کہ آپ اس مضمون کے ساتھ ایک ادارتی نوٹ میں ترکی کی جگہ پاکستان اور وہاں کے شہروں اور کرداروں کی جگہ اسلام آباد، کراچی اور ہمارے مرکزی حکومت کے اہم عہدیداروں اور بیوروکریسی کے کلیدی عہدوں پر براجمان شخصیات کے ناموں کو ذہن میں رکھ کر اس مضمون کو مطالعہ کرنے کا کہتے تو ہر شخص پاکستان کے موجودہ حالات میں سازش کی تہہ تک پہنچ جاتا۔

سفارت کاری کی آڑ میں فری میسن سرگرمیوں میں ملوث ہونے کی ماضی قریب کی ایک مثال ایران میں 1979ء کے انقلاب کے بعد پاسداران انقلاب کا امریکی سفارتخانے کے عملہ کے چار سو ارکان کو لگ بھگ ایک سال یرغمال بنائے رکھنے کی ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پاسداران انقلاب کے بقول امریکی سفارت کار ایران کے داخلی معاملات میں مداخلت کر رہے تھے اور شاہ ایران کے خلاف 1979ء کے انقلاب کے راستے میں رکاوٹیں ڈال رہے تھے، نیز واقعات کی مخبری کر کے خبریں باہر بھجوا رہے تھے۔ پاسداران انقلاب کی اس کامیاب مہم جوئی میں امریکی صدر اور امریکہ کو حد درجہ رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔

اب بھی اگر قارئین ندائے خلافت اس مضمون کو دوبارہ پڑھ لیں اس فرق کے ساتھ کہ ذہن میں اپنے ملک، شہر اور اہم عہدیداروں کو فرض کر لیں اور مکتوب نگار کی جگہ لوگر، جان کیری، ہیلری کلنٹن اور دیگر عالمی شخصیات کو رکھ لیں تو پاکستان کے مخدوش حالات کے پس پردہ ہاتھوں کو پہچاننے میں دقت نہیں ہوگی۔

شکریہ، بصد احترام

والسلام
انجینئر مختار فاروقی، جھنگ

ISLAMIC OR SECULAR PAKISTAN?

"Quantum Note" has seldom been written in response to anything that appears on the op-ed pages of *The News*. But two columns have raised fundamental issues regarding state and religion, and they demand response because they deal with issues of enduring importance for Pakistan. "In defense of a secular state" and "Winterless of discontent than of gloom" are both concerned with Islam and Pakistan, which, let us recall, is a country where 96% of the population proclaims that "There is no deity except Allah, and Muhammad ﷺ is Allah's Messenger." This testimony of faith makes them Muslim, that is, those who believe in the five pillars of Islam (the testimony of faith, obligatory prayers, fasting, *zakah* and Haj), as well as the set of tenets associated with belief (*Iman*): the Unicity of the Creator, Allah, belief in angels, in Allah's prophets, on the Day of Reckoning, and on *qadr*. These are non-negotiable and irreducible beliefs of every Muslim.

It is not my intention to probe the belief of the writers of the above-mentioned columns. One of them has ridiculed the "self-proclaimed defenders of Pakistan's ideology", lamented the impossibility of "a creative dialogue on the meanings of secularism" and listed five points in "defense of revisiting our dominant ideologies and establishing a secular state within Pakistan as one of several possible resolutions to its myriad problems. "The other is essentially asking for legalization of drinking and prostitution, for "doctors of divinity should know enough about the human condition to realize that banning anything makes it more attractive."

While both are welcome to hold whatever views they hold, when they write for public consumption, they incur a responsibility --- a moral and intellectual responsibility. While the prevalent intellectual anarchy allows publication of all kinds of views, we think that these ideas are unsound on historical grounds. It is hard to see how the writers of these two articles can publish such views, which ignore fundamental historical realities.

To begin with, let us note that the state of Pakistan came into existence through the partition of the Indian subcontinent on the basis of Islam. This can be attested to by visiting the primary sources available to all. There is not a single argument advanced by the representatives of Muslims of the Indian subcontinent during the period of struggle for gaining independence from the overbearing English Colonisers that does not rest on the principle that Muslims and non-Muslims are two nations which cannot live within the same state.

The two-nation theory is simply a statement of this historical reality: even after hundreds of years of shared existence within a specific geographical region, Muslims and non-Muslims of the Indian subcontinent remained two distinct nations. This is why Islam was, is, and will remain the only *raison d`etre* of Pakistan. This is why every document of the Independence movement --- from the pamphlets of Chaudhry Rahmat Ali, to the 1930 presidential address of Allama Iqbal, to the legalistic arguments of Muhammad Ali Jinnah --- rests on this fundamental argument that the Muslims of India constitute a separate nation from the non-Muslims and deserve to have a separate homeland.

To be sure, the case for the Islamic Republic of Pakistan does not rest on the statements of a Jinnah or an Iqbal, for these individuals were but human and their reasoning cannot be taken to have enduring and lasting value; it rests on the fact that the vast majority of this land is Muslim. It is this silent majority for whom the rallying cry during the years of popular uprising against the British was *Pakistan ka Matlab kaya? La`ilahah illallah* (What is the meaning of Pakistan? There is no deity except Allah), that remains the bedrock of an unchanging reality. Hence, the argument advanced by Dr. Saigol, that "ideologies do not remain static and over time they do transform", is invalid, for the fundamental building block of Pakistan is not merely an ideology, but commitment of our people to Islam. It is this fundamental reality that Dr. Saigol wishes to ignore by calling it a "fundamental mythology", and "a denial of history". Denial of history is certainly present in this argument.

Apart from these considerations, there are other enduring reasons which dictate that a truly Islamic, and not a secular, state is the real answer to Pakistan's myriad problems. But those considerations require a separate column, although

نقشہ مرکزی اجتماع گاہ تنظیم اسلامی بہاولپور

رفقاء تنظیم اسلامی کا سالانہ

کل پاکستان اجتماع

15 16 17 نومبر 2009ء (بروز اتوار، سوموار، منگل)

بمقام: مرکزی اجتماع گاہ تنظیم اسلامی، بہاولپور

منعقد ہو رہا ہے۔ ان شاء اللہ

اجتماع کا آغاز 15 نومبر بروز اتوار 3 بجے سہ پہر ہوگا اور 17 نومبر بروز منگل نماز ظہر تک جاری رہے گا
اس اجتماع میں تمام مبتدی و ملتزم رفقاء مع احباب شریک ہوں گے

رفقاء و احباب کے لئے ہدایات

☆ اجتماع گاہ، بہاولپور شہر کے بس اڈہ سے 6 کلومیٹر لودھراں / ملتان کی جانب ہے۔ (اجتماع گاہ کی لوکیشن کا نقشہ اندرونی صفحات پر ملاحظہ فرمائیں)۔ سڑک پر اس کی نشاندہی بینرز وغیرہ سے کردی جائے گی۔ بہاولپور ریلوے اسٹیشن / لاری اڈہ پر استقبالیہ کیمپ ہوگا اور وہاں سے اجتماع گاہ تک پہنچانے کا انتظام کیا جائے گا (ان شاء اللہ)۔ Daewoo سے تشریف لانے والے حضرات پیشگی اطلاع دیں۔

☆ شرکاء گرم بستر اور گرم کپڑے ہمراہ لائیں۔ رات کے وقت موسم سرد ہوتا ہے۔

☆ واپسی پر شرکاء کو بہاولپور شہر ریلوے اسٹیشن / لاری اڈہ تک پہنچانے کے انتظامات کیے جائیں گے۔

☆ اس اجتماع میں خواتین کی شرکت کا انتظام نہیں۔

المعلن: ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ناظم سالانہ اجتماع

برائے رابطہ: 0332-4353693, 042-36316638, 042-36366638